میں تیرا نام لکھوں خوشبوئیں جل اٹھیں
یہ معجزہ بھی میرے خوش جمال ہونا تھا
ہوائے شہر نے رکھا بہت اداس مگر
میرا یقین محبت بحال ہونا تھا

"ابتہاج حسن رضوی صاحب! مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ کے نظریات سے میں متفق نہیں ہوں۔"

"واہ کیوں نہیں ہو؟ بھلے تم نہ مانو مگر میں اپنے خیالات میں اٹل ہوں۔ چار گلو کا "ٹینٹ" ساتھ لے کر چلنے والی لڑکیوں میں کانفیڈنس کا فقدان ہوتا ہے۔ ٹینٹ ان کی نفسیاتی ضرورت ہے۔ جس میں وہ خود کو محفوظ سمجھتی ہیں۔"

اس کا انداز و لہجہ استہزائیہ تھا۔

"اسلامی قوانین کو پامال کرنے والی ماڈرن لڑکیاں اپنی نسوانیت کھو رہی ہیں۔ وہ ماڈرن ازم کو نہیں عریانیت کو فروغ دے رہی ہیں اور جسے تم نفسیاتی ضرورت کہہ رہے ہو وہ ان کی حیا ہے۔" عبد اپنے لہجے کو مضبوط بنا کر بولا۔

دونوں اس ٹاپک "آج کے دور میں بہتر کون ہے؟ ماڈرن یا پردے دار عورت؟" پر بحث کر رہے تھے۔ ابتہاج ماڈرن اور عبد پردے دار عورت کو فیور کر رہا تھا۔

"جسم کی نمائش کو تم کانفیڈنس گردان رہے ہو۔ لعنت ہے۔"

"تم کیا سمجھتے ہو برقع پوش لڑکیاں کچھ نہیں کرتیں اندر ہی اندر گل کھلاتی ہیں۔"

"مانتا ہوں کہ کچھ لڑکیوں نے پردے کو بدنام کر دیا ہے مگر تم سب کو ایک لائن میں کھڑا نہیں کر سکتے۔ عورت کا حسن ہی ڈھکے چھپے میں نمایاں ہوتا ہے۔ شاہراہ عام میں کچھ نہیں ہوتا۔"

"تم جو بھی کہو مگر میری آئیڈیل ایک بے حد ماڈرن لڑکی ہے جو زمانے اور میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلے تو ٹینٹ راہ میں حائل نہ ہو۔"

"ایکسکیوز می۔" اب مزید خاموش رہنا اس کے لیے دوبھر ہو گیا تھا۔ کھلے دروازے میں کب سے کھڑی وہ منتظر تھی کہ وہ دونوں ہی اس کی طرف متوجہ ہوں مگر وہ زور و شور سے بحث کرنے میں مصروف تھے۔ لاچار اسے دخل اندازی کرنا پڑی۔ جو مسلسل ماڈرن لڑکیوں کی طرف داری کر رہا تھا۔ اس کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ وہ میز پر چڑھا بیٹھا تھا جب کہ دوسرا اس کے چوڑے وجود کی آڑ میں گم تھا۔ اس کی آواز پر اچانک سناٹا چھا گیا اور پھر میز پر

چڑھا، جود چھلانگ مار کے نیچے اتر آیا۔
''جی مس۔'' عبد سیدھا ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ مضبوطی سے قدم اٹھاتی وہ میز تک آئی۔
''میں نیہان ہوں۔ یہ اپائمنٹ لیٹر کل موصول ہوا تھا مجھے۔''
''جی میں جانتا ہوں آپ تشریف رکھیے۔'' اسے اشارہ کرتے عبد نے لیٹر ابتہاج حسن رضوی کو پکڑایا۔ جو مسلسل اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ پیازی کلر کے سوٹ میں ہم رنگ چادر اوڑھے اس کا چہرہ تمام لوازمات سے پاک تھا۔
''آپ دونوں میں سے باس کون ہے؟'' دونوں ہی ایک دوسرے کو تم کہہ رہے تھے اس لیے اسے باس اور ورکر کا اندازہ نہ ہو سکا۔ عبد نے اس کی طرف اشارہ کیا۔
''مجھے ابتہاج حسن رضوی کہتے ہیں۔ آپ کے ڈاکومنٹس میں نے کل دیکھ لیے تھے۔ آج آپ کا فرسٹ ڈے ہے سو ویلکم۔ ہماری کمپنی کیسی ہے؟ اس کا اندازہ آپ کو یہاں کام کر کے ہو جائے گا اور مجھے امید ہے کہ آپ کی قابلیت کے پیش نظر آپ ہمیں اچھا رزلٹ دیں گی۔'' اس نے اس کے چہرے پر نظریں جماویں۔ اس نے اپنا رخ ذرا سا موڑا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گویا ہوئی۔
''اگر آپ سوچ رہے ہیں کہ میں فارمیلٹی نبھاؤں گی کہ میں اچھا کام کرنے کی کوشش کروں گی تو میرا طریقہ کار ذرا مختلف ہے۔ میں یہاں کام کرنے ہی آئی ہوں۔ چند دن آپ میرا کام دیکھ لیں۔ اطمینان نہ ہو تو آپ مجھے فارغ کرنے کے مجاز ہیں۔'' اس کے مضبوط اور پراعتماد انداز و لہجے پر عبد نے ایک مسکراتی نظر ابتہاج حسن کے چہرے پر ڈالی تھی۔ وہ جان گیا تھا کہ وہ اسے کیا جتانے کی کوشش کر رہا ہے۔
''جاب آپ کا شوق ہے یا مجبوری؟''
''ضرورت۔'' نپا تلا لہجہ تھا اور ابتہاج نے دیکھا کہ ضرورت کہتے وقت اس کے چہرے پر کوئی کامپلیکس نہیں تھا۔
''آپ اپنی پے سے مطمئن ہیں؟''
''اگر نہ ہوتی تو آج میں یہاں نظر نہ آ رہی ہوتی۔'' اب کے اس کا لہجہ اکھڑا اکھڑا تھا۔ جان گئی تھی وہ لایعنی سوالات کر رہا ہے۔
''کوئی بس پرابلم ہو تو آفس سے ٹرانسپورٹ کی سہولت مل سکتی ہے۔''
''ایکسکیوزمی۔ آپ نے اپائمنٹ لیٹر ٹائپ کرواتے ہوئے شاید پشت پر درج بریف کو ریڈ آوٹ نہیں کیا مگر میں نے کر لیا ہے۔'' نیہان کا انداز جتاتا ہوا تھا۔
''اوکے باقی کام کی تفصیل آپ کو عبد بتا دیں گے۔ یہ ہمارے ایگزیکٹو منیجر ہیں اور آپ اسی روم میں ان کے ساتھ کام کریں گی۔''
''نیہان خموش ہی رہی۔ ابتہاج حسن نے تحیر بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا اور پھر روم سے چلا گیا۔ عبد اسے کام سمجھاتا رہا جو اسے ذرا مشکل نہیں لگا۔
☆☆
''السلام علیکم۔'' دروازہ نانو نے کھولا تھا۔ سلام کر کے وہ اندر داخل ہوگئی۔
''جیتی رہو۔ کیسا رہا آفس کا پہلا دن؟'' نانو اس کے پیچھے کمرے میں چلی آئیں۔
''اچھا رہا۔'' چادر بیڈ پر اچھال کے وہ سینڈل کے اسٹریپ کھولنے لگی۔
''کیسا ماحول ہے وہاں کا؟ لڑکیاں تو کام کرتی ہیں نا؟'' پہلے زمانے کی نانو اس کی جاب سے ہولتی تھیں۔
''ماحول انسان خود بناتا' بگاڑتا ہے نانو اور لڑکیاں وہاں بھی کام کرتی ہیں۔''
''میں تو تمہارے جاب کے حق میں نہیں تھی مگر افسوس......''
''جاب نہ کروں تو کیا کروں؟ امی بابا نے جو بس انداز کیا تھا۔ چھ مہینوں میں سب ختم ہو گیا۔ یوں بیٹھے رہنے سے ہم دونوں فاقوں سے مر جائیں گے اور پھر اللہ نے خود رزق تلاش کرنے کا حکم فرمایا ہے۔''

"ہتی تو تم بھی ٹھیک ہو مگر بیٹا زمانے سے ڈر لگتا ہے۔"

"کیا کریں نانو رہنا بھی یہیں ہے تو کیوں نہ بہادر بن کر رہیں۔ کمزور دل والوں کو یہ دنیا بہت تنگ کرتی ہے۔ بل آیا تھا آج؟" اس نے باتوں کا رخ پھیر دیا۔ ورنہ وہ کوستی رہتیں۔

"اب کس کو آنا ہے بیٹا بدنصیبی کی ہواؤں میں سارے اپنے ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔" نانو کو ماموں یاد آ گئے۔ جو حیدرآباد میں اپنی فیملی کے ساتھ مقیم تھے۔ برسوں سے ان کا آنا جانا بند تھا۔

"چھوڑیں نا نو کوئی نئی تازی سنائیں۔"

"تم چلی گئی تھیں تو بجلی کا بل آیا تھا۔"

"کتنا آیا بل؟"

"ساڑھے چار سو" نانو نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ ایک پل کو تو وہ بھی چپ رہ گئی۔ یہاں تین وقت کھانے کو نہیں تھا اور ساڑھے چار سو روپے کا جھٹکا بڑا زوردار تھا۔

"اللہ مالک ہے۔" اپنے ساتھ اس نے نانو کو بھی تسلی دی۔

"آلو کی روٹی بنائی تھی۔ تمہیں بہت پسند ہے نا۔" چائے کا پانی چولہے پر رکھتی نانو کہہ رہی تھیں اور آنسوؤں کا گولہ اس کا حلق چھید گیا۔ کتنی پسند تھی اسے امی کے ہاتھ کی آلو بھری روٹی۔ کتنے شوق سے کھاتی تھی وہ اور اب پہلا ہی نوالہ حلق میں اٹک گیا تھا۔

ان کے گھر کا شمار متمول گھرانے میں ہوتا تھا۔ ہر غم و فکر سے آزاد وہ خوش باش رہتے تھے۔ والہانہ محبت کرنے والے والدین کی اکلوتی اولاد ہونے کا شرف حاصل تھا اسے۔ چار نفوس پر مشتمل اس گھر کے در و دیوار بھی کبھی قہقہہ لگایا کرتے تھے مگر چھ مہینے پہلے والدین کی حادثاتی موت نے نیبان کو سائے سے چلچلاتی دھوپ میں لا پٹخا۔ جسے ایم اے کے بعد والدین پیا دیس بھیجنے کی تیاری کر رہے تھے۔ آج وہی زمانے کی سختیاں جھیل رہی تھی۔ پہلے اس کے نزدیک پیسے کی اہمیت صرف اتنی تھی کہ اس سے ضرورت کی چیزیں آتی ہیں۔ اب سر پر پڑی تو اسے احساس ہوا کہ پیسہ کمانا اور اسی پیسے میں گزارا کرنا کتنا مشکل ہے۔ اس مہنگائی کے دور میں پہلے پہل نیبان نے اسکول میں اپلائی کیا مگر وہاں سیلری اتنی کم تھی کہ اس نے ایک فرم میں درخواست بھیج دی۔ شومئی قسمت کہ پہلی ہی درخواست کا جواب موصول ہوا اور وہ رضوی گروپ آف کمپنیز میں اپائنٹ ہو گئی۔

☆☆

"نیبان! آپ لنچ نہیں کریں گی؟" عبد لنچ آورز میں اس کی میز تک آیا۔

"نانو نے لنچ دیا ہے۔ ان کے خیال میں باہر کی چیزیں صحت کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں۔" وہ مسکرا کے گویا ہوئی تھی۔ انگلیاں کی بورڈ پر تیزی سے چل رہی تھیں۔

"پھر کیا دیا ہے نانو نے؟" عبد نے اشتیاق ظاہر کیا۔ یہ سلجھی ہوئی باحیا لڑکی اسے پہلی ہی نظر میں بھا گئی تھی اور آج جب نیبان نے آتے ہی اسے السلام علیکم عبد بھائی کہا تو وہ ایک لمحے کو مبہوت رہ گیا تھا۔

"شاید آپ کو برا لگا" وہ کسی قدر خجل نظر آ رہی تھی۔ تب عبد ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

"میں سوچ رہا تھا۔ بھائی کہنے والی پہلے نہیں مل سکتی تھی۔ یقین کرو نیبان مجھے چھوٹی بہن کی چاہ بچپن سے ہے۔ جب میں چھوٹا تھا تو جمعے کی نماز میں خشوع و خضوع سے بہن کی دعا مانگتا تھا اور ہر بار بھائی کی آمد پر امی سے بہت لڑتا تھا کہ آپ مجھے بہن لا دیں۔ وہ بھی کیا بے وقوفی کا دور تھا۔" نیبان مسکرا دی تھی۔

"کتنے بھائی ہیں آپ لوگ؟"

"چھ اور آج سے تم ہماری اکلوتی بہن۔"

"منظور! لنچ آور ختم ہونے والا ہے پہلے لنچ کر لو کام ہوتا رہے گا۔"

"یار عبد وہ نتاشا اسٹوپڈ بہت تنگ کر رہی ہے۔ میں نے اپنا موبائل آف کر رکھا ہے۔ تمہارے پاس اس کی کال

آئے تو کہہ دینا میں آفس میں نہیں ہوں۔" ابتہاج حسن عجلت بھرے انداز میں کہتا ہوا داخل ہوا۔ نیہان نے سرعت سے نظریں مانیٹر پر مرکوز کرلیں۔

"کیوں اب نتاشہ سے کیوں بھاگ رہے ہو؟" عبد استفسار کررہا تھا۔ وہ چپ رہا۔ اسے یاد نہ رہا کہ اب عبد کے روم میں نیہان بھی ہوتی ہے۔

"میں کینٹین میں تمہارا انتظار کررہا ہوں۔" انداز جھنجلایا ہوا تھا۔ "کیا مصیبت ہے۔" زیرلب بڑبڑا کے وہ باہر چلا گیا۔

"مائنڈ مت کرنا۔ دراصل ہم یونیورسٹی فرینڈ بھی ہیں۔ اس لیے ایک دوسرے کے لیے کسی حد تک عادی ہیں۔" عبد اس کے پیچھے چلا گیا۔ وہ بھی سر جھٹک کے کام کرنے لگی۔

"سمجھتی کیا ہے خود کو؟ کہیں کی اپسرا ہے ہزاروں لڑکیاں میری ایک نظر کی مشتاق ہوتی ہیں اور یہ میرے چہرے پر نظر ہی نہیں ڈالتی۔ اتنا اکڑتی کیوں ہے؟ اف یہ پردے دار لڑکی......" کینٹین میں وہ جھنجلا رہا تھا۔ نیہان کا مضبوط و پراعتماد وجود اسے پہلی ہی نظر میں چیلنج کرگیا تھا۔

"ہاں اب بتاؤ کیا ہوا نتاشہ کو؟" عبد اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"مرگئی وہ۔"

"ایں۔" عبد اسے ہونق کی طرح دیکھ رہا تھا۔

☆☆

واپسی پر اس کی نظریں جیولرز کی دکان پر پڑیں تو کان میں پڑی بالیاں اتار کے اس نے ادھر کا رخ کیا۔ خاصی مہنگی بالیاں تھیں۔ بابا نے میٹرک فرسٹ ڈویژن میں پاس کرنے پر گفٹ کی تھیں۔ اب انہیں بیچتے ہوئے اس کا دل رو رہا تھا۔

"نانو! یہ پیسے لیجیے اور خرم کو بل اور پیسے دے آیئے تاکہ کل وہ بجلی کا بل جمع کرآئے۔" پیسے نانو کے سامنے رکھے۔

"کہاں سے آئے پیسے؟"

"بس آگئے۔" اس نے لاپروا نظر آنے کی مقدور بھر کوشش کی۔

"تم نے بالیاں بیچ دیں؟" نانو کی نظریں بڑی تیز تھیں۔

"جی اور کوئی ذریعہ نہیں تھا پیسوں کے حصول کا۔" نا... دونوں چیزیں لیے خوشی سے پڑوس میں چلی گئیں۔

پندرہ سولہ سالہ خرم اس طرح کے کام کردیا کرتا تھا۔ نا... جلد ہی واپس آگئی تھیں اور غصے سے بھری تھیں۔

"لوگوں کی آنکھوں میں تو مروت مفقود ہوتی جارہی ہے۔"

"کیا ہوا نانو؟" خرم کی ماں نے کہا خرم گھر میں نہیں ہے حالانکہ میں نے خود اس کی آواز سنی پھر کہا کہ خرم کو فرصت نہیں ہے۔ بہتر ہے کسی اور سے کروالیں۔ منہ... جھوٹ بول دیا میرے۔ ذرا احساس نہیں کہ دو عورتیں اس طرح کے کام تنہا کریں گی۔"

"چھوڑیں نانو میں کل خود جمع کردوں گی۔"

"تم اکیلی کیا کیا کرو گی؟" نانو کا غصہ ابھی تک مو... تھا۔ زمانے کی بے حسی اور بے مروتی نے انہیں ستا... تھا۔

"چپ رہیے دروازے پر شاید کوئی ہے۔" وہ اٹھ... نانو لپک جھپک دروازے کی طرف بڑھیں۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں نانو رستم۔" باہر سے مردانہ آواز آئی۔

"کیوں آئے ہو تم یہاں؟" نانو کے لہجے ناگواری عیاں تھی۔

"میری امانت ہے آپ کے پاس اسی کی خیر معلوم کرنے آیا ہوں۔" باہر سے مسکراتا جواب آیا۔

"کوئی امانت وانت نہیں ہے تمہاری جان چھو... ہماری۔" نیہان بھی دروازے تک آگئی۔ نانو نے اشا... سے اسے چپ رہنے کو کہا۔ وہ لمبی سانس لے کے ر...

"اپنی نواسی کو وداع کردیں میرے ساتھ۔ پھر... میں جہان چھوڑ دوں گا۔" قہقہہ ابھرا۔

''تم جیسے لوگوں کو تو اللہ بھی نہیں پوچھتا۔ دفع ہو جاؤ اس سے پہلے کہ میں چیخ چیخ کے لوگوں کو بلاؤں۔'' وہ چیخ اٹھی۔

''تم بھی یہیں ہو دروازہ کھولو ذرا دیدار تو کرادو۔ آمنے سامنے بات کرنے کا مزا ہی کچھ اور ہے۔''

''رستم مجھ بڈھی پہ احسان کرو اور جاؤ یہاں سے۔'' نانو کی آواز لرزنے لگی۔

''آج تو جارہا ہوں۔ اگلی بار آؤں گا تاریخ لینے۔ رب راکھا۔'' دوسری طرف سناٹا چھا گیا۔ نانو کے جسم میں کپکپاہٹ طاری ہوگئی۔

''کتنی بار کہا ہے آپ سے تھانے چل کے اس کے خلاف رپورٹ کریں مگر آپ سنتی نہیں ہیں۔'' نانو کو تھام کر کمرے تک لائی۔

''نہ بیٹا ایسے لوگوں کے منہ نہیں لگتے اور پھر مجبوروں کی سنتا کون ہے۔ پولیس بھی اس کا ساتھ دے گی جو اسے نوٹوں کی گرمی پہنچائے گا۔ نجانے اس بدبخت رستم نے کیوں ہمارا پیچھا لے لیا ہے؟ کہتا ہے تمہارے مرحوم والد نے اسے زبان دی تھی۔ داماد بنانا چاہتا تھا اسے۔ رستم تمہارے باپ کا انتخاب ہے میں مان ہی نہیں سکتی۔ ایک بار بات کی تھی اس نے کہ رستم نے اپنے رشتے کی بات کی تھی اور تمہارے والد نے اسی وقت انکار کردیا تھا اور اب اس کی وفات کے بعد یہ آگیا ہے امانت لینے۔ آہ حبیب کاش تو بھی دودھ کا حق ادا کردے۔ نیہان تم آج ہی حبیب کو خط لکھ دو۔ آکر لے جائے وہ تمہیں اسے تو کوئی احساس نہیں کہ انسانوں کے ہجوم میں ماں اور بھانجی اکیلی رہ گئی ہیں۔''

''نانو آپ ٹینشن مت لیں۔'' وہ ان کے بال سہلانے لگی۔

''مجھے تو ڈر لگنے لگا ہے رستم سے۔ ہم اکیلی عورتیں کیا کرلیں گی اس کا۔'' جوان نواسی کی فکر نے نانو کو ادھ موا کردیا تھا۔

اسے پہلی سیلری ملی تو اس نے ضرورت کی چند چھوٹی موٹی چیزیں خریدیں۔ اپنے اور نانو کے لیے ایک ایک سوٹ خریدا۔ گھر آئی تو خلاف توقع کافی دنوں بعد نانو کا موڈ خوش گوار تھا۔ اس کے استفسار سے پہلے ہی نانو نے بتایا کہ رستم کا محلے میں کسی سے جھگڑا ہوگیا تھا۔ رستم کی گولی لگنے سے وہ بندہ اسپتال چلا گیا ہے اور رستم کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے۔ اس نے بھی مسرت کا اظہار کیا۔

دفتر میں آج کام کچھ زیادہ تھا۔ وہ تندہی سے مصروف تھی۔ تبھی اس کی میز پر رکھے فون پر پڑوس کے معظم صاحب کی کال آئی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں میں لرزش طاری ہوگئی۔ عبد نے آج چھٹی کی تھی۔ ورنہ وہی اس کی ہیلپ کردیتا۔ تیز رفتاری سے وہ ابتہاج حسن کے روم کی طرف بڑھی تھی۔ ابھی چند قدموں کا فاصلہ تھا کہ وہ اپنے روم سے نکل آیا۔ لرزتے جسم اور کپکپاتے لبوں کو بے دردی سے کچلتی وہ اس کے روبرو تھی۔

''سم تھنگ رونگ؟''

''سر مجھے چھٹی چاہیے۔ نانو کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔'' وہ بمشکل بولی۔ ابتہاج کے لیے یہ لمحہ یہ پل بہت حیرت انگیز تھا۔ بلیک چادر میں گلابی چہرہ اسے آزمائش میں ڈال گیا تھا۔ وہ جو نیہان سے ضد باندھے بیٹھا تھا۔ اس کا پلان تھا کہ اسے لبھا کے عبد کو دکھائے گا کہ دیکھو اس کے کردار کی مضبوطی اس کی شرافت و پاکیزگی مگر اپنے داؤ آزمانے سے پہلے قدرت نے اسے چاروں شانے چت کردیا۔

''آیئے میں آپ کو ڈراپ کردوں۔'' نیہان کے لیے سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ بھاگ کے اپنا بیگ لے آئی۔ فرنٹ ڈور کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

''کہاں چلنا ہے؟'' وہ گم ہوتے حواس سے ایڈریس بتانے لگی۔ اب اس کے آنسو عارضوں پر بہنے لگے تھے۔ ابتہاج حسن کے لیے ڈرائیو کرنا مشکل ہورہا تھا۔

''کون کون ہے آپ کے گھر میں؟''

''میں اور نانو ہی ہوتے ہیں۔'' لہجہ رندھا ہوا تھا۔ اسے سخت ندامت ہوئی کہ کچھ دیر پہلے تک اس لڑکی کے

بارے میں وہ کس انداز میں سوچ رہا تھا۔ وہ بھری دنیا میں تنہا بھی دکھی بھی اور وہ اسے مزید توڑنا چاہ رہا تھا۔

"آپ کے پیرنٹس؟" وہ اس کا دھیان بٹانا چاہ رہا تھا۔

"سات ماہ قبل ان کی حادثاتی موت ہوگئی۔"

"سوسیڈ۔" کچھ دیر گاڑی میں سناٹا رہا۔ فقط اس کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

"نیہان! ایک بات کہوں آپ سے مائنڈ تو نہیں کریں گی؟" رائیٹ ٹرن لیتے ہوئے بولا۔

"کہیے۔"

"آپ پلیز چپ ہو جائیں۔ آپ کے آنسو مجھے تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ ڈرائیو کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ میرا یقین کیجیے انشاء اللہ نانو ٹھیک ٹھاک ہوں گی۔" اس کے لہجے میں خلوص و اپنائیت تھی اور ایسے میں تسلی کا ایک حرف ہی زندگی میں امید کے دیئے روشن کر دیتا ہے۔ نیہان کے آنسو بھی رک گئے مگر اس نے کچھ نہیں کہا راستوں پر نظر جمائے انگلیاں مسلتی رہی۔

"بات ماننے کا شکریہ۔" گاڑی دروازے پر رکی تھی۔ ان سنی کیے وہ نیچے اتر آئی۔ وہ شکریہ ادا کرنا چاہ رہی تھی جب وہ بھی اپنی طرف کا دروازہ کھول کے اتر آیا۔

"آپ مائنڈ نہ کریں تو میں نانو کی عیادت کرلوں؟" وہ اجازت طلب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آیئے۔" دروازہ وا تھا۔ پٹ دھکیل کر وہ اندر چلی آئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔ سرعت سے وہ نانو کے کمرے کی طرف بڑھی۔ نانو کی پیشانی پر پٹی بندھی تھی۔ ہاتھوں پر بھی خراشیں پڑی تھیں۔ ڈاکٹر ڈریسنگ کر رہا تھا۔ معظم صاحب اور ان کی اہلیہ بھی موجود تھیں۔

"السلام علیکم۔" نیہان نے سلامتی بھیجی۔

"وعلیکم السلام۔" معظم صاحب کی اہلیہ کا لہجہ معنی خیز تھا۔ ان کی نظروں سے خائف ہوتی وہ ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوئی۔

"دوائیں میں دے دوں گا۔ کسی کو میرے ساتھ بھیج دیں۔ ڈریسنگ کے لیے کل کلینک تشریف لایئے گا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔" ڈاکٹر اپنا ساز و سامان سمیٹ کر اٹھ گیا۔

"میں دوا لے آتا ہوں۔" وہ ڈاکٹر کے ساتھ ہو لیا۔ معظم صاحب کی بیگم اشارے کنارے میں نو وارد کے متعلق پوچھتی رہیں۔ وہ نظر انداز کیے نانو کی ہتھیلی سہلا رہی تھی۔ نانو کو بہ ہوش و حواس دیکھ کر اس کے اعصاب بھی پرسکون ہو گئے۔ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کے معظم صاحب نے بیوی کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ ناچار وہ اٹھ گئیں۔

"میری ضرورت ہو تو مجھے بلا لینا بیٹا۔" معظم صاحب ہمدرد دل رکھنے والے نیک خصلت انسان تھے۔ بیوی کے برعکس وہ دوسروں کی زندگی میں زبردستی جھانکنے کے خلاف تھے۔

"شکریہ انکل۔" اس نے ممنونیت سے مسکرا کے جواب دیا۔ ان کی بیگم کی ٹٹولتی نگاہ اسے سخت بری لگ رہی تھی۔ نجانے نگاہ اٹھاتے ہوئے لوگ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ ان کی ایک نگاہ کسی کی زندگی خراب کر سکتی ہے۔ کسی کو چبھ رہی ہو۔ گراں گزر رہی ہو ان کی نظر۔ اس کا بچپن اس گھر اور انہی گلیوں میں گزرا تھا۔ انہیں جانے پہچانے راستوں سے وہ اسکول، کالج اور پھر یونیورسٹی گئی تھی۔ پیرنٹس کے انتقال کے بعد جب جاب کی غرض سے اس نے ان راہوں پر قدم رکھے تو نگاہوں کے زاویے اور انداز بدل گئے۔ تمسخرانہ ان معنی خیز نگاہوں کا اسے ہر روز سامنا تھا۔ بعض نے تو یہاں تک پوچھا تھا۔ "باس جوان ہے یا بوڑھا؟" کچھ نے کہا۔ "عیش ہیں اس کے۔" اور وہ لوگوں کے رویے پر کڑھ کے رہ جاتی۔ انسانی رویے وقت و حالات سے ایسے بدل جاتے ہیں کہ پرانے روپ پر سوائے حیرت کے اور کچھ نہیں ہوتی۔ وہی لڑکے جو وقار صاحب کی بیٹی سن کر اسے آگے نکلنے کے لیے جگہ دیا کرتے تھے۔ اب وہی اس پر آوازیں کستے تھے۔ کیونکہ اب اس کے سر پر کسی مرد کا سایہ جو نہیں تھا اور تنہا عورت مر

کے لیے مال مفت ہو جاتی ہے۔ کیسا المیہ ہے۔
"یہ سب کیسے ہوا نانو؟" وہ دونوں گئے تو اس نے تفصیل جاننے کی خواہش ظاہر کی۔
"میں سبزی لینے بازار گئی تھی۔ نجانے کن سوچوں میں تھی کہ روڈ کراس کرتے ہوئے گاڑی کی زد میں آ گئی۔ بے چارا گاڑی والا بہت شرمندہ ہوا مگر غلطی میری تھی۔ وہ اسپتال لے جانا چاہ رہا تھا۔ وہیں معظم بھائی مل گئے تو میں گھر چلی آئی۔ میں نے انہیں منع بھی کیا تھا کہ تمہیں پریشان نہ کریں۔" اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ نیہان اپنی عقل کو کوس کے رہ گئی۔ دروازہ تو اس نے بند ہی نہیں کیا تھا۔ ایسے میں کوئی بھی گھر میں گھس سکتا تھا۔ دروازے سے ابتہاج کی صورت نمودار ہوئی تو وہ کن انکھیوں سے نانو کو دیکھنے لگی۔ جو بغور اسے دیکھ رہی تھیں۔ دوائیں نیہان کی طرف بڑھا کے وہ بیڈ کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ جو اسے دیکھ کر نیہان نے خالی کر دی تھی۔
"کیسی طبیعت ہے نانو؟" وہ بڑی اپنائیت سے احوال دریافت کر رہا تھا۔ نیہان کے لیے بڑے اچنبھے کی بات تھی۔ گزشتہ دو ماہ سے وہ لیے دیے رہنے والا بندہ آج دوسرے روپ میں اس کے سامنے تھا۔
"اچھی ہوں بیٹا۔" نانو کی تجسس بھری نظریں اسی کے چہرے پر جمی تھیں۔
"نانو یہ ابتہاج حسن رضوی ہیں میرے باس۔" بادل نخواستہ اس نے تعارف کرایا۔
"نیہان کافی پریشان ہو گئی تھیں ایکسیڈنٹ کا سن کر۔"
"کیسے نہ ہو بیٹا ہم دونوں ہی تو ایک دوسرے کے جینے کا سہارا ہیں۔" وہ خاموشی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ چائے بناتے ہوئے وہ مسلسل ابتہاج کے بدلے روپ کو سوچ رہی تھی۔ نانو اس سے بہت گھل مل کے باتیں کر رہی تھیں۔
اب تو چائے پیے بھی کافی دیر ہو گئی تھی اور وہ اب بھی نانو سے باتیں بگھار رہا تھا۔ وہ جان بوجھ کے کچن ہی میں مصروف رہی اور اس کے چلے جانے کی دعائیں کرنے لگی۔
"ایکسکیوزمی سر۔" وہ صحن عبور کر رہا تھا۔ تب اس نے عجلت میں کچن سے نکل کے پکارا۔
"جی۔" وہ پورا گھوم گیا۔ اس کا وجود ابھی تک چادر سے لپٹا ہوا تھا۔
"یہ ڈاکٹر کی فیس اور دوائیوں کے پیسے۔" نیہان نے ایک نظر اس کے ہاتھ میں دبے نوٹوں پر ڈالی اور پھر ایک تفصیلی نظر اس کے چہرے پر۔
"میں ڈاکٹر کی پے منٹ کر چکا ہوں۔"
"پھر آپ رکھ لیں۔ ہم پر واجب ہے کہ آپ کے پیسے لوٹائیں۔" لب ولہجہ سپاٹ تھا۔
"میں یہ پیسے نہیں لوں گا۔" ہاتھ باندھے وہ اطمینان سے گویا ہوا۔
"کیوں؟ پھر آپ کو ضرورت کیا تھی پیسے دینے کی؟" وہ اپنے لہجے کی ناگواری چھپا نہ سکی۔ آپ کو لینا پڑیں گے پیسے۔" اس کے لہجے میں دھونس تھی۔ اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔ سر اٹھا کے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے اعتماد سے تو وہ ہر وقت بات کرتی تھی۔ ورکر ہونے کے باوجود اس کا انداز خادمانہ نہیں بلکہ شاہانہ ہی ہوا کرتا تھا مگر آج لہجے میں جو دھونس تھی۔ وہ اسے بہت اچھی لگی۔
"اگر آپ میرے پیسے لوٹانے پر بضد ہیں تو مجھے وہی روپے چاہئیں جو میں نے ڈاکٹر کو دیے ہیں' آپ کی کل کی چھٹی منظور کی جاتی ہے بائے۔" اپنی بات پوری کی اور یہ جا وہ جا۔ وہ غصے سے دروازے کو دیکھنے لگی۔ اگلے روز نانو کی طبیعت ٹھیک تھی۔ اسے گھر پر موجود دیکھ کے سمجھیں کہ وہ ان کی تیمارداری کے باعث آفس نہیں جا رہی۔ انہوں نے اسے کہا بھی کہ وہ چلی جائے اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ وہ خود ہی چھٹی دے کر گیا ہے۔ چھٹی کے باعث اس نے سارے کام جھٹ پٹ نمٹا لیے تھے۔ تبھی بیگم معظم آ دھمکی تھیں۔ ان کے انداز نے اس کے اشتعال کو بڑھاوا دیا تھا۔ وہ تو نانو نے اس کا ارادہ بھانپ کر اسے کسی کام روانہ کیا ورنہ شاید وہ آج انہیں نہیں بخشتی۔ شومئی قسمت

ان کے جانے کے بعد دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ وضو کرنے کی غرض سے نانو دروازے کے قریب تھیں۔

"السلام علیکم۔" دروازے کے پیچھے سے ابتہاج حسن کا چہرہ طلوع ہوا۔

"وعلیکم السلام۔" نانو بھی کسی قدر کشمکش کا شکار تھیں مگر گھر آئے اسے بھگا تو نہیں سکتی تھیں۔ ویسے بھی وہ انہیں اچھا لگا تھا۔ اسے نانو کے کمرے میں جاتے دیکھ کے نیہان سخت آگ بگولہ تھی۔ نانو کے کئی بار چائے کے مطالبے پر جان بوجھ کر اس نے نہایت بدمزہ چائے بنائی اور کپ اس کے آگے پٹخ کر واپس کچن میں چلی گئی۔ اندر وہ کل کی طرح دنیا جہان کی باتیں کر رہا تھا اور وہ کھول رہی تھی۔

"ایکسکیوزمی سر۔" لہجہ بگڑا ہوا تھا۔

"یس۔"

"نانو کی طبیعت اب ٹھیک ہے۔ میں کل سے آفس آ رہی ہوں۔ برائے مہربانی آپ پھر یہاں آنے کی زحمت مت کیجیے گا۔ کیونکہ آپ تو چلے جاتے ہیں اور مجھے لوگوں کو صفائیاں دینا پڑتی ہیں۔ آپ کی مہمان نوازی ہمارے لیے رحمت نہیں زحمت کا باعث ہے۔" ایک ثانیے کو وہ اس کی شکل ہی دیکھتا رہا۔ بلیک اینڈ ریڈ کاٹن کا پرنٹڈ سوٹ پہنے، دوپٹہ سر پر اوڑھے وہ اس کے سامنے اعتماد سے کھڑی تھی۔ اس کے دوٹوک لفظوں کا اسے رتی بھر اندازہ نہیں تھا۔

"اگر میری وجہ سے آپ کو پرابلم ہوئی تو معذرت خواہ ہوں۔"

"اللہ حافظ۔" آگے سے ٹکڑا لگا کر بے تاثر چہرے کے ساتھ کھڑی رہی۔ اس کا انداز دیکھتے ہی ابتہاج حسن دروازہ عبور کر گیا۔ اس نے کھٹ سے کنڈی چڑھا دی۔

☆☆

"یہ کل تم غائب کہاں تھیں؟" اگلے روز عبد استفسار کر رہا تھا۔

"نانو کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔"

"آفس میں خبر کی ہوتی تو میں عیادت کرنے تو آ جاتا۔"

"سر کو خبر تھی اور انہوں نے ہی پرسوں مجھے ڈراپ کیا تھا اور کل وہ عیادت کرنے بھی تشریف لائے تھے۔" اس کا لہجہ خاصا جلا کٹا تھا۔ عبد کو بے ساختہ کھانسی شروع ہو گئی۔ نجانے اس کی کھانسی کتنی طویل ہوتی تبھی اس کی میز پر رکھے فون نے چیخنا شروع کر دیا۔ وہ بھی اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ کال سے نمٹ کر عبد سنجیدگی سے نیہان کا بے ریا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ابتہاج کیا کرنا چاہ رہا ہے۔

"نیہان۔"

"جی بھائی۔" بنا سر اٹھائے اس نے جواب دیا۔

"تمہارا امیج ٹوٹنا نہیں چاہیے۔" انداز مبہم تھا۔

"انشاء اللہ کبھی نہیں۔" اس کا انداز کون سا سمجھ میں آنے والا تھا۔ سر اٹھا کے اس نے ایک مسکراتی نظر عبد پر ڈالی تھی۔ وہ بھی مسکرا دیا تھا۔ تبھی ابتہاج حسن نے ان کے روم میں قدم رکھا اور عبد نے دیکھا کہ نیہان سپاٹ چہرہ لیے لاتعلق سی اپنے کام میں مصروف تھی اور ابتہاج کی نظریں بار بار اس کے گرد بھٹک رہی تھیں۔

پھر وہ اکثر و بیشتر بلا جواز ان کے روم کے چکر لگانے لگا تو عبد نے ایک دن اسے گھیر لیا۔

"نیہان کو میں نے بہن بنایا ہے۔"

"ویری گڈ چلو تمہاری بہن کی آرزو تو پوری ہوئی۔ مبارک ہو۔"

"تم میری بات کا مفہوم بخوبی سمجھ رہے ہو۔"

"شاید۔"

"اگر تم نے کچھ ایسا ویسا کیا تو میں......"

"ڈونٹ بی اموشنل عبد۔"

"وہ تمہارے ٹائپ کی لڑکی نہیں ہے۔"

"جانتا ہوں۔"

"کون سا گیم کھیلنا چاہ رہے ہو تم اس کے ساتھ۔"

"گیم تو تقدیر میرے ساتھ کھیل رہی ہے۔ یار وہ مجھے

اچھی لگنے لگی ہے۔"

"لڑکیاں تمہیں بری کب لگتی ہیں؟"

"لیکن یہ کچھ زیادہ اچھی لگتی ہے۔"

"اچھا۔"

"بلیومی یار تجھے ایک راز کی بات بتاؤں۔ پہلے میں واقعی گیم کھیلنے کے موڈ میں تھا مگر نجانے کیسے میری سوچ میں دراڑ پڑنے لگی۔" ابھی اس کی بات جاری تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔

"یس۔" نتاشہ کو دیکھ کے عبد نے لمبی سانس لی۔ جب کہ نظریں خاصی تمسخرانہ تھیں۔

☆☆

"میں کوئی ایکسکیوز نہیں سنوں گا نیہان۔ کل تمہیں آنا ہے اور بس۔"

"عبد بھائی آپ میری پرابلم سمجھنے کی کوشش تو کریں۔"

"کون سی پرابلم ہے تمہارے ساتھ؟ نانو کی پرمیشن چاہیے تھی وہ کل انہوں نے تمہارے سامنے دے دی۔"

"امی بابا کی وفات کے بعد میں نے کوئی فنکشن اٹینڈ نہیں کیا۔"

"صاف کہہ دو نا تم میری انگیج منٹ میں آنا ہی نہیں چاہتیں۔ ناحق تمہارا ذکر کر کے میں نے گھر میں سب کا اشتیاق بڑھا دیا ہے۔"

"نانو کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے ورنہ میں ان کے ساتھ آجاتی۔"

"تمہیں پک اینڈ ڈراپ کی ذمے داری میری۔ کل میں نے نانو کو مطمئن کر دیا تھا۔" اس کے پاس ہر سوال کا جواب موجود تھا۔ نیہان بری طرح پھنسی تھی۔ عبد کی انگیج منٹ ہو رہی تھی۔ پہلے اس نے ٹالنے کی کوشش کی مگر عبد اس کے ساتھ جا کر نانو سے بھی بات کر آیا تھا۔ نانو نے اسے پرمیشن دے دی تھی اور خود تقریب اٹینڈ کرنے سے معذوری ظاہر کی تھی۔ اب نیہان پہلو بچا رہی تھی۔

"تمہیں نہیں آنا ہے تو صاف منع کر دو فضول بہانے گھڑ رہی ہو۔" نروٹھے انداز پر اسے ہار مانتے بنی۔

"ٹھیک ہے میں آؤں گی لیکن واپسی جلدی ہو گی آپ رکنے پر اصرار نہیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ مسکرا دیا۔

"ہو گئیں تیار؟"

"جی۔" اس کا منہ پھولا ہوا تھا۔

"خاک تیار ہو میلاد شریف میں بھی لوگ تم سے بہتر انداز میں جاتے ہیں۔ ذرا سرخی کاجل ہی لگا لو۔ روز تو چوٹی باندھتی ہی ہو آج بال کھلے چھوڑ دو۔"

"نانو! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" وہ تحیر سے ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ کالج یونیورسٹی میں کبھی وہ لپ اسٹک کا لائٹ ٹچ بھی دیتی تھی تو نانو جان کو آجاتی تھیں اور آج وہی نانو اسے میک اپ کی ترغیب دے رہی تھیں۔ جب کہ پیرنٹس کی وفات کے بعد اس نے جیسے ہر شوق ہی چھوڑ دیا تھا۔

"کیوں میری طبیعت کو کیا ہوا؟" الٹا اسی سے استفسار کرنے لگیں۔

"وہاں دس لوگ ہوں گے اچھے رشتے آج کل گھر چل کر نہیں آتے۔"

"سو واٹ۔" وہ چڑ گئی۔

"اپنی منطق بعد میں جھاڑنا۔ جیسا میں نے کہا ہے ویسا کرو۔" نانو سر پر کھڑی تھیں ناچار اس نے آنکھوں میں کاجل ڈالا اور نیچرل کلر سے لبوں کو رنگا۔

"عبد بھائی انوائیٹ کر رہے تھے تو ان کی پشت سے میں نے آپ کو کتنا اشارہ کیا کہ منع کر دیں مگر آپ نے میری بات نہیں مانی اور اب میک اپ اور کھلے بال۔" وہ کلس رہی تھی۔

"نیہان۔"

"جی۔" لائٹ پنک سینڈل کے اسٹریپ چڑھا رہی تھی۔

"وہاں ابتہاج بھی تو ہوگا نا؟" وہ جھجکی کی جھجکی رہ گئی۔ نانو کا انداز اسے پل بھر میں سمجھ آ گیا۔

"مجھے بہت اچھا لگا۔ اگر ابتہاج چاہے تو جوڑی بہت اچھی رہے گی۔" نانو اپنے ہی خیالوں میں کھو گئیں۔ وہ انہیں حقیقتوں میں لانا چاہتی تھیں تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔ نانو واپس آئیں تو عبد ان کے ساتھ تھا۔

"ریڈی ہیں آپ؟"

"جی۔"

"اوہ نانو یہ تو کوئی دوسری نیہان لگ رہی ہے۔" عبد کی تفصیلی نظر سے جھینپ گئی۔

"یہ سب میرا کمال ہے ورنہ یہ تو ڈھلے منہ سے جا رہی تھی۔ تم بیٹھو نا۔"

"گھر میں مہمان منتظر ہیں۔ لیٹ ہو جائیں گے۔ چلیں نیہان؟"

"جی اچھا۔" اس نے بلیک چادر اوڑھ لی۔

"نانو آپ فکر مت کیجئے گا۔ میں ڈراپ کر دوں گا۔"

گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ گاڑیاں ہال جانے کو تیار تھیں۔ بس عبد کا انتظار ہو رہا تھا۔

"ماما۔" عبد نے گریس فل سی خاتون کو روکا۔ "یہ ماما ہیں اور پاپا....."

"یہ نیہان بیٹے ہے ناں؟" انہوں نے مسکرا کے تصدیق چاہی۔

"اسلام علیکم۔"

"جیتی رہو۔ عبد بہت ذکر کرتا ہے تمہارا۔ ماشاء اللہ بڑی پیاری ہو۔" انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔ محبت کے اظہار پر اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔

"آہاں رونا نہیں۔ تمہیں پیرنٹس کی کمی محسوس ہوتی ہے اور ہمیں بیٹی کی۔ کیوں نہ ہم ایک دوسرے کی کمی پوری کر دیں۔" ان کے شفیق انداز پر وہ بے ساختہ ان کے سینے سے لگ گئی۔

"آؤ تمہیں باقی بھائیوں سے ملواؤں۔ عبد تم جاؤ جلدی تیار ہو جاؤ۔ اپنے پاپا کا مزاج پتا ہے۔ ذرا دیر ہوئی تو گھر سر پر اٹھالیں گے اصول کے پکے جو ٹھہرے۔" اس کا ہاتھ تھامے ماما آگے بڑھ گئیں۔ عبد کسی کمرے میں مڑ گیا۔ عبد کے بھائیوں سے مل کر اسے خوشی ہوئی بلکہ اس کی پوری فیملی ہی اسے اچھی لگی۔ سب نے اسے گرمجوشی سے ویلکم کہا تھا۔ آخر میں وہ عبد کے پاپا سے ملی تھی۔ بالکل بابا جیسا رعب و دبدبہ تھا ان میں۔ کتنی ہی دیر وہ انہیں دیکھتی رہی تھی۔

وہ سب ٹائم پر ہال پہنچ گئے تھے۔ لڑکی والوں نے زبردست ریسیپشن دیا تھا۔ سگی بیٹی کی طرح ماما نے اسے ساتھ لگا رکھا تھا۔

"نیہان بیٹا عبد سے پوچھنا کہ رنگ اس نے رکھی تھی نا' کہیں گھر بھول تو نہیں آیا؟" ماما کو فکر لاحق ہوئی۔ کافی دور بنے اسٹیج پر روشنی اتر آئی تھی۔ دونوں طرف کے مووی میکرز منظر کو فلمبند کر رہے تھے۔

"جی اچھا۔" وہ مڑی تھی اور کسی خاتون کا دھکا لگنے سے اس کے ہاتھ میں موجود گجروں کی باسکٹ سبز گھاس پر گر گئی۔ وہ اٹھانے کو جھکی تھی عین اسی وقت کوئی اور بھی جھکا تھا۔ نگاہیں اٹھا کر اس نے مقابل کو دیکھا۔ بلیک کلر کی زبردست سی سوٹنگ میں لائٹ پنک روز کی منہ بند کلی کالر میں لگائے ابتہاج حسن رضوی بڑا شاندار لگ رہا تھا۔ پھولوں کے گجرے باسکٹ میں ڈال کر اس نے نیہان کی طرف بڑھایا۔

"شکریہ۔" اس نے تھام لیا اور سرو قد ہو گئی۔ وہ بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ لائٹ پنک آرگنڈی کا سوٹ اس کے تن پر سج رہا تھا۔ پشت پہ کھلی دراز زلفیں بکھری تھیں۔ اس گھڑی وہ بلا کی جامہ زیب لگ رہی تھی۔ چادر میں لپٹی لپٹائی نیہان کا ایک الگ ہی روپ اس کے سامنے تھا۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ پلٹنے لگی تھی جب استفسار ہوا۔

"اچھی ہوں۔"

"نانو کی طبیعت کیسی ہے؟"

"اب اچھی ہے۔" انداز جان چھڑانے والا تھا۔ جواب دے کر وہ اسٹیج کی طرف چل دی۔

"میٹھو نیہان۔" عبد نے اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

"ہونے والی منگیتر اور کزن صاحبہ ان سے ملیے یہ

میری سسٹر نیہان ہیں۔" عبد نے شوخی سے تعارف کرایا۔ دلہن نے ایک نظر نیہان کو دیکھا اور چیخ مار کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ بے چارہ عبد بھی گھبرا کے کھڑا ہو گیا۔

"تم نیہان ہونا؟" اس کے اثبات میں سر ہلانے کی دیر تھی۔ ردا نے حاضرین محفل کو فراموش کر کے اسے جھپٹ کر گلے لگا لیا۔ لڑکوں کی ہوٹنگ سے نیہان ایکدم سٹپٹا گئی۔ نظریں اسٹیج پر جم گئی تھیں۔

"عبد یہ میری کالج فیلو ہے، ہم بیسٹ فرینڈ تھے۔ بابا کی پوسٹنگ ہوئی تو ہمارا ساتھ چھوٹ گیا۔ تم نے تو مجھے پہچانا بھی نہیں۔" وہ اس کے لتے لے رہی تھی۔

"قصور ان کا نہیں آپ کے ڈسٹمپر کا ہے بھابی۔" پیچھے آتے ابتہاج نے نکڑا لگایا تھا محفل زعفران زار بن گئی۔ سب کی پرشوق نظروں سے جھجک کر وہ الگ ہوئی۔ ردا نے ہاتھ تھام کر اسے پاس بٹھا لیا۔

"یہ غلط ہے بھابی اصولاً تو آپ کو عبد کا ہاتھ تھامنا چاہیے۔" اس کے جھینپے چہرے کو دیکھتے ہوئے ابتہاج نے شوخی سے کہا۔ وہ اپنا ہاتھ چھڑا گئی۔ رسم کا باقاعدہ آغاز ہو چکا تھا۔ ینگ جنریشن نے اسٹیج پر دھاوا بول دیا تھا۔ کمال چالاکی سے سب نے بڑوں کو دودھ سے مکھی کی طرح نکال دیا تھا اور پھر خاندان کی بات تھی۔ بڑوں نے بھی انہیں آزادی دے دی۔ لڑکے اور لڑکیوں کی الگ الگ دو ٹیمیں بن چکی تھی۔ عبد کی سائیڈ سے لڑکے سیر تھے تو ردا کی سائیڈ سے لڑکیاں سوا سیر۔

"چل بھائی عبد کود پڑ د میدان میں اور پہنا دو رنگ۔" یہ ابتہاج تھا۔

"یار کیسے پہناؤں؟"

"رنگ کیسے پہنائی جاتی ہے؟" لڑکیوں کے مجمعے سے عبد کی کھنچائی ہوئی۔

"مجھے کیا معلوم میری تو پہلی انگیج منٹ ہے۔" عبد کمال معصومیت سے گویا تھا۔ لڑکوں نے چھت پھاڑ قہقہہ لگایا۔

"عبد بھائی ردا منتظر ہے۔"

"محترمہ ہاتھ تو دکھایئے۔"

"موچ لیں پڑ گیا تو چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔" کسی لڑکی نے گل افشانی کی۔

"عبد بات عزت پہ بن آئی ہے۔" ابتہاج نے غیرت دلائی۔

"آپ کو کس بات کی جلدی ہے؟" ایک لڑکی نے اسے تیکھی نظروں سے گھورا۔

"تاکہ میرا نمبر بھی تو آئے۔" انداز شوخ تھا۔ اس ساری چھیڑ چھاڑ میں عبد کو بھی مزا آ رہا تھا۔

"عبد بھائی! دل میں بسنے والوں کو انتظار نہیں کرواتے۔"

"نیہان کی بات پر لڑکیوں نے پورا پنڈال سر پر اٹھا لیا۔ عبد لڑکوں کی پارٹی کی طرف دیکھ رہا تھا کہ شاید کوئی جواب آئے مگر وہ سب نیہان کو دیکھنے میں مصروف تھے۔

"کتنا کم اور کتنا بھرپور بولی ہو۔" ایک لڑکی نے نیہان کی پیٹھ تھپتھپائی۔ تبھی اس کی نظریں ابتہاج سے مل گئیں۔ نچلا لب دانتوں سے پکڑے وہ مسکرا رہا تھا۔

"بولتی کیوں نہیں؟ ہے کوئی جواب؟" لڑکیوں نے ابتہاج کی خاموشی پہ چوٹ کی۔

"ہم انہیں لاجواب کہتے ہیں۔" وہ شوخی سے گویا تھا نیہان نے جھکی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ متواتر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ رخ پھیر گئی۔ عبد نے کمال جرات سے ردا کا ہاتھ تھام کر رنگ پہنا دی تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

"چلو بھئی لڑکیوں اب تم لوگوں کی باری ہے، دیکھتے ہیں تم لوگ کتنا ٹائم لیتی ہو۔" ردا نے دو انگلیوں سے پکڑ کر رنگ پہنا دی۔

"کیا مجھے چھوت کی بیماری ہے جو دو انگلیوں سے پکڑ کر رنگ پہنائی ہے یہ فاؤل ہے۔ رنگ دوبارہ پہنائی جائے گی۔" عبد نے احتجاج بلند کیا اب تو تمام ہی لڑکے ونس مور کا نعرہ لگانے لگے۔

"بیٹھے نعرے لگاتے رہیے، ہم لے جا رہے ہیں ردا کو۔" کسی نے ہری جھنڈی دکھا دی۔

"یہ ہاتھ تو اب اسی وقت چھوٹے گا جب دوبارہ رنگ پہنائی جائے گی۔" عبد نے ردا کا ہاتھ تھام لیا۔

"واہ رے میرے شیر۔" لڑکوں نے ایک بار پھر پنڈال سر پر اٹھا لیا۔ عبد ردا کی کن فیوژن کو انجوائے کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں کی لرزش اسے لطف دے رہی تھی۔

"ردا کیا خیال ہے؟" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ لڑکیوں نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا اور پھرتی سے سب نے ردا کو اپنی طرف کھینچ لیا اور بے چارا عبد اپنا خالی ہاتھ دیکھتا رہ گیا۔

ڈنر سے فارغ ہو کر نیہان گھر جانے کو بے چین ہو رہی تھی۔

"چلو نیہان میں تمہیں چھوڑ آؤں۔" عبد اس کے پاس آیا۔

"ابھی سارے مہمان موجود ہیں' آپ کا جانا اچھا نہیں لگتا۔" وہ اپنی وجہ سے اس کی تقریب خراب کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" ماما چلی آئیں۔

"ماما! نیہان کو ڈراپ کرنا تھا۔"

"تمہیں تو تمہارے پاپا بلا رہے ہیں' کسی فرینڈ سے ملوانا ہے اور نیہان کو عامر چھوڑ دے گا۔" انہوں نے مسئلہ حل کر دیا۔

"کوئی پرابلم تو نہیں ہے نیہان؟"

"نہیں بھائی۔" گرچہ پرابلم تو تھی جتنا وہ عبد کو جانتی تھی۔ اتنا اس کے بھائیوں کو نہیں جانتی تھی مگر مجبوری تھی۔ عبد مطمئن ہو کر چلا گیا تھا کہ ماما عامر کو ڈھونڈنے نکلیں۔

"دل تو چاہ رہا ہے تمہیں مزید روک لوں مگر تمہاری نانو پریشان ہو رہی ہوں گی۔" ان کے ساتھ وہ انٹرنس تک آئی۔ "میں آؤں گی کسی روز' تم بھی جا کر بھول مت جانا۔"

بلیک گاڑی سامنے کھڑی تھی۔ ماما نے آگے بڑھ کے فرنٹ ڈور کھول دیا۔ وہ بیٹھنے کی نیت سے جھکی مگر پھر سرو قد ہوگئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر عامر کی جگہ ابتہاج حسن تھا۔ اسے اب خیال آیا یہ گاڑی تو اسی کی تھی۔

"ابتہاج میرا ساتواں بیٹا ہے۔ تم اس کے ساتھ جاؤ گی تو مجھے کوئی ٹینشن نہیں ہوگی۔ عامر نجانے کہاں ہے۔ باقی سب مصروف ہیں۔ تم بیٹھو۔" وہ مشکل میں پھنس گئی تھی۔ انکار کرتی تو ماما کے ہاتھ ایک ٹاپک لگ جاتا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

"ابی! میری بیٹی کو شکایت نہیں ہونی چاہیے۔"

"میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا۔ بائی اللہ حافظ۔" انداز میں سرخوشی تھی۔ وہ زنانے سے گاڑی لے اڑا۔ نیہان لاتعلقی سے سامنے دیکھتی رہی۔ ابتہاج حسن نے نہ ہی اس سے بات کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی ٹیپ ریکارڈر کا سہارا لیا۔ اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔ گھر کے سامنے اس نے بریک لگائے وہ اتر گئی۔ گلی اس وقت سنسان تھی۔ اس نے فرحت بھری سانس لی۔ ورنہ پھر کوئی فسانہ بن جاتا۔ "شکریہ۔"

"نیہان۔" اس کی پکار پر اسے مڑنا پڑا۔

"کھلے بالوں میں آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" جملہ مکمل کیا اور یہ جا وہ جا۔ وہ بل کھا کر رہ گئی۔

☆☆

کافی دیر سے وہ آفس پوائنٹ کا انتظار کر رہی تھی۔ مگر پوائنٹ نجانے کہاں رہ گئی تھی۔ اسٹاپ پر برائے نام لوگ تھے' جو اپنی مطلوبہ کنوینس کے منتظر تھے۔ جھنجلا کر اس نے رسٹ واچ کو گھورا۔

"السلام علیکم! کیا حال ہیں؟" خبیث مسکراہٹ کے ساتھ رستم اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔ وہ اچھل ہی تو گئی۔

"بڑی اونچی اڑان اڑنے کی کوشش کر رہی ہو۔ جاب تک بات ٹھیک تھی مگر باس کا تمہارے گھر آنا جانا مجھے ذرا پسند نہیں۔ کل رات بھی وہ تمہیں ڈراپ کر گیا ہے۔ اسے سمجھا دینا آئندہ وہ مجھے تمہارے ساتھ نظر نہ آئے۔ ورنہ تم تو مجھے جانتی ہی ہو۔"

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟"

"ہم تو کر دکھانے والے لوگ ہیں۔ دھمکی تو بزدل لوگ دیتے ہیں۔"

"مجھے تماشہ بننے کا شوق نہیں ہے۔ بہتر ہے تم یہاں سے چلے جاؤ۔" اس نے حتی الامکان لہجہ نرم رکھا۔ لوگوں کی نظریں اس پر اٹھی ہوئی تھیں۔

"تم اقرار کرلو کہ مجھ سے بخوشی شادی کو تیار ہو تو ابھی چلا جاتا ہوں۔" وہ سودے بازی پر اتر آیا۔

"مر جاؤ گے یہ حسرت لے کر۔" اس کی برداشت جواب دے گئی۔

"تو تم مجھ سے شادی نہیں کرو گی؟"

"مر کے بھی نہیں۔" اس کے لہجے میں کوئی لچک نہیں تھی۔

"ٹھیک ہے اب معاملہ میں اپنے طور پر حل کروں گا۔ ہوسکتا ہے تمہیں اٹھوا ہی لوں۔" وہ خباثت سے ہنسا تو اس کی آنکھوں میں خوف اتر آیا۔ لاکھ وہ بہادری کا مظاہرہ کرتی۔ مگر تھی تو کمزور لڑکی جسے صرف عزت کی فکر ستاتی تھی۔ پوائنٹ بس آگئی تھی۔ وہ لپک کر سوار ہوگئی۔ سارے راستے گتھی کو سلجھاتے ہوئے اس نے آفس میں قدم رکھا تھا۔ سامنے سے ابتہاج حسن چلا آرہا تھا۔ وہ ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ مارے خوف کے اس کی چیخ نکل گئی۔

"آر یو او کے؟" اس کی پیلی رنگت اور متوحش انداز پر استفسار کیا۔ وہ بمشکل سر ہلا کر اپنے کیبن کی طرف بڑھ گئی۔ گردن موڑے ابتہاج نہ سمجھ انداز میں اسے دیکھتا رہا۔

"آج لیٹ ہوگئیں؟" عبد اسے دیکھتے ہی گویا ہوا۔

"جی بس دیر سے آئی تھی۔" بیگ رکھ کے اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"تم ٹھیک نہیں لگ رہیں۔"

"ہوں طبیعت تھوڑی خراب ہے۔" اس نے کمپیوٹر آن کیا۔

"تو چھٹی کر لیتیں۔"

"اب اتنی بھی خراب نہیں ہے۔"

"نیہان ادھر دیکھو۔"

"جی۔" خود پر قابو پا کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"غالباً تم مجھ سے ناراض ہو۔ ماما نے تمہیں ابی کے ساتھ بھیج دیا تھا۔ کیا ابی نے تم سے کچھ کہا؟" وہ سنجیدہ تھا۔ اس کی ڈسٹربنس کو وہ کچھ اور سمجھ رہا تھا۔ اس کے متفکر چہرے کو دیکھتے ہوئے اسے مسکرانا پڑا۔

"آپ جو سوچ رہے ہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ میری پریشانی کی وجہ کچھ اور ہے۔"

"کیا ہے بتاؤ مجھے۔" وہ سوچ میں پڑ گئی کہ اسے شریک غم کرے یا نہیں۔

"کم آن نیہان۔ میں نے تمہیں بہن کہا ہی نہیں سمجھا بھی ہے۔"

"کوئی بڑی پرابلم نہیں ہے بس میری تو عادت ہے گھبرا جانے کی۔" اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے وہ مشکل میں پھنسے۔

"جو بھی ہے کہہ ڈالو۔" وہ مصر تھا۔

"عبد! ہمیں سائیٹ پر چلنا ہے۔" ابتہاج کی آمد نے اسے مشکل سے نکال دیا۔ اس کا بتانے کا موڈ نہیں تھا۔ عبد ابتہاج کے ساتھ نکل گیا۔

اس نے نانو سے بھی رستم کا ذکر نہیں کیا۔ وہ بے چاری کیا کر سکتی تھیں علاوہ پریشان ہونے کے۔ سوچ سوچ کر اسے ٹمپریچر ہوگیا۔ مگر رستم سے چھٹکارا پانے کی کوئی سبیل نہیں نکل رہی تھی۔ اس نے آفس سے چھٹی کر لی۔

اگلے روز رستم اسے پھر نظر آیا تھا۔ بلکہ وہ اس کے پیچھے آفس تک آیا تھا۔ اس نے کوئی بات نہیں کی تھی مگر اس کے اعصاب پر خوف کا غلبہ تھا۔ اس کا جی چاہا میز پر سر رکھ کر خوب روئے۔ اپنی بے بسی کا ماتم کرے۔ بلا جھجک ڈور کھول کر اس نے اندر قدم رکھا تھا مگر اندر کا منظر دیکھ کر اس کا دماغ بھنا کے رہ گیا۔ عبد کی سیٹ خالی تھی۔ ابتہاج حسن روم میں موجود تھا اور نتاشہ نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال رکھی تھیں۔ اسے سامنے دیکھ کر ابتہاج یکدم گڑبڑا گیا۔ "سوری مگر آپ لوگوں کو ڈور لاک کر لینا چاہیے تھا۔" کرخت و سپاٹ انداز میں کہہ کر وہ روم سے نکل گئی تھی اور دوسرے کیبن میں تانیہ کے پاس چلی گئی۔ عبد نے چھٹی کی

تھی۔ اس کا موڈ مزید خراب ہو گیا۔ آج کام بھی زیادہ نہ تھا۔ وہ لنچ سے پہلے ہی فارغ ہو گئی۔ نیہان! احمر کمپنی کی فائل لے کر آیئے۔" انٹر کام پر ابتہاج کا میسج ملا تھا۔ اس کا حلق کڑوا ہو گیا مگر حکم کی بجا آوری ضروری تھی۔

"بیٹھیے۔" فائل میز پر رکھ کر وہ بیٹھ گئی۔

"یہ فائل تو کمپلیٹ ہو گئی ہے۔ جنید گروپ آف کمپنیز کا کام کہاں تک پہنچا؟" کرسی سے پشت ٹکائے وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ بلو کلر کے پرنٹڈ سوٹ میں ہم رنگ دوپٹہ سلیقے سے اوڑھے وہ اس کے سامنے براجمان تھی۔

"وہ فائل عبد بھائی کے پاس ہے۔ وہی اس پر کام کر رہے ہیں۔" نپا تلا جواب تھا۔

"ہوں۔" وہ ایک سیکنڈ کو چپ رہ گیا، وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نیہان۔"

"یس سر۔" وہ مڑی۔ پیپر ویٹ گھماتے ہوئے وہ خاصہ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

"وہ نتاشہ..."

"سوری سر یہ آپ کا پرسنل میٹر ہے۔ مجھ سے صرف آفس سے متعلق گفتگو کی جائے۔" خشک انداز میں کہہ کر وہ روم سے نکل گئی۔ ہاتھ میں دبا پیپر ویٹ اس نے دیوار پر دے مارا اور آفس ٹائم سے پہلے ہی اٹھ گیا۔ کافی دیر پیٹرول پھونکنے کے بعد گھر آیا تھا۔ اس کے والدین ان دنوں عمرہ کرنے گئے ہوئے تھے۔ بھیا کے کمرے سے گزر کے اس کا کمرہ پڑتا تھا مگر ان کے کمرے سے آتی دھاڑ پہ اس کے قدم رک گئے۔ یہ اگرچہ غیر اخلاقی حرکت تھی مگر یہی حرکت اس کی زندگی کو بنا سکتی تھی۔

"تمہیں شرم نہیں آتی غیر مردوں کے سامنے بنا دوپٹے کے پھرتی ہو؟ سلیقے سے دوپٹہ اوڑھ کر نہیں رہا جاتا تم سے؟" جواب میں بھابی اس سے تیز آواز میں چیخنے لگیں۔

"یہ سب شادی سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ پہلے تو تمہیں مجھ میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی تھی۔ اب کون سے کیڑے پڑ گئے ہیں؟"

"اپنے غلط فیصلے پر پچھتا رہا ہوں۔ بھوت سوار تھا میرے سر پر ماڈرن لڑکی کا اور اب وہ لڑکی میری بیوی بن چکی ہے۔ لڑکی اور بیوی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ کاش کہ تمہاری جگہ میں نے کسی پردے دار لڑکی کا انتخاب کیا ہوتا۔ جس پر مردوں کی نظر پڑتی تو عقیدت و پاکیزگی سے ان کی نگاہیں جھک جاتیں۔ اس وقت میرا ڈوب مرنے کو جی چاہتا ہے۔ جب میرے دوست تمہارا فگر نمبر بتاتے ہیں......"

اس سے آگے سننے کی اس نے کوشش نہیں کی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ شزا بھابی اس کی آئیڈیل تھیں۔ بلا کی فیشن ایبل' بے حد ماڈرن' شاید ہی ان کے پاس دوپٹہ نظر آتا تھا اور اگر ہوتا بھی تو گلے میں پیوست۔ مما کے کئی بار کہنے کے باوجود بھی ان کے دوپٹے کو پھیلنا نہیں آیا تھا۔ بھیا کسٹم آفیسر تھے اور شزا بھابی ایئر لائن میں ایئر ہوسٹس تھیں۔ ان کی لو میرج تھی۔ شزا بھابی اس کے آئیڈیل پر پوری اترتی تھیں۔ اسے بھیا کی زندگی پہ رشک آتا تھا مگر آج بھیا کی باتیں سن کر اس پر سوچ کے کئی دریچے کھل رہے تھے۔ اس کی سوچ میں دراڑ تو اس وقت پڑنا شروع ہو گئی تھی جب نیہان پر پہلی نظر پڑی تھی اور نیہان کا خیال آتے ہی اس کے اعصاب پرسکون ہونے لگے۔ ہزار اس کی لڑکیوں سے ہیلو ہائے تھی مگر اس نے محسوس کیا تھا نیہان کے آگے اس کی نظروں کا انداز بدل جاتا تھا۔ بھیا نے ٹھیک کہا تھا' عورت کے وجود کو ایسا ہی معطر و پاکیزہ ہونا چاہیے کہ مارے عقیدت کے نگاہیں جھک جائیں۔ ابتہاج حسن خود احتسابی کے عمل سے گزر کر مستقبل کے خسارے سے بچنا چاہ رہا تھا۔

"تجھے کس حکیم نے مشورہ دیا تھا کہ تو اپنا روم چھوڑ کر یہاں رومانس لڑائے؟" عبد مسلسل جل بھن رہا تھا۔

"شٹ اپ' میں کوئی رومانس نہیں کر رہا تھا۔ میں یہاں تیری ٹیبل سے جنید گروپ والی فائل لینے آیا تھا۔ پیچھے نتاشہ چلی آئی۔ میں اسے ٹرخانے کی کوشش کر رہا تھا۔ تجھے تو اس کی عادت کا پتا ہے۔ ہاتھ گلے میں ڈالنے کی

بیماری ہے اسے اور عین اسی وقت نیہان چلی آئی۔ ایسا انداز تھا اس کا جیسے میں کوئی بدکردار انسان ہوں۔ حالانکہ اس کے جانے کے بعد میں نے نتاشہ کو جھٹک کر الگ کیا اور اسے آئندہ ملنے سے بھی منع کر دیا مگر وہ تو نہیں جانتی نا کہ میں نے اپنی پچھلی حرکتوں سے توبہ کرلی ہے۔"

"اب تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟" عبد اسے جانچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک عرصے سے وہ اس کے ساتھ تھا۔ اس کے مزاج کے تمام رنگوں سے آشنائی رکھتا تھا۔ اس کا بدلا ہوا انداز تو کئی دنوں سے محسوس کر رہا تھا۔ تبھی اسے بولنے پر اکسایا۔ وہ ایک لمحے کو چپ رہ گیا۔ نظریں نیہان کی خالی کرسی پر جمی تھیں۔ وہ کام سے دوسرے سیکشن میں گئی ہوئی تھی۔ عبد خاموشی سے اس کا بے کل انداز دیکھتا رہا۔

"یار! مجھے محبت ہوگئی ہے۔"

"بہتر تھا یہ بات تو نیہان سے کہتا۔"

"مجھے پٹنا ہے اس کے ہاتھوں۔ دیکھتا نہیں ہے کیسے بدکتی ہے مجھ سے۔" اس کا انداز یاد کر کے خود محظوظ ہوا۔ عبد بھی مسکرا دیا۔

"وہ بہت دکھی اور باہمت لڑکی ہے ابی کہیں۔"

"عبد! تو تو میرا اعتبار کر یار۔" اس کے شکی انداز پر وہ زچ ہوگیا۔

☆☆

"کیسی ہو؟" آج وہ پھر اسٹاپ پر آ ٹکرایا تھا۔ وہ چپلی پڑ گئی۔

"تم کیوں تنگ کر رہے ہو مجھے؟ کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا؟ سکون سے جینے دو مجھے۔" اس کا سارا حوصلہ جاتا رہا لہجہ روہانسا ہوگیا۔

"تمہیں دکھوں سے بچا ہی تو رہا ہوں۔ رانی بنا کر رکھوں گا اپنے گھر میں۔" انداز پر چانے والا تھا۔ اس کا خون کھول اٹھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

"جا رہا ہوں۔ اطلاع دینے آیا تھا کل بارات لے کر آ رہا ہوں تیار رہنا اور کہیں بھاگنے کی کوشش بھی مت کرنا۔ تم پر ہر دم میری نظر ہے۔ تیار رہنا۔ کل انکار نہیں سنوں گا رب راکھا۔" بس اس کے سامنے کھڑی تھی مگر اس کے پاؤں جیسے زمین نے پکڑ لیے تھے۔ رستم جا چکا تھا۔ مگر وہ پتھرائی نظروں سے اسی سائیڈ دیکھتی رہی۔ اس کی کولیگ نے آواز لگائی تو خواب کی کیفیت میں وہ سوار ہوگئی گم صم بیٹھی رہی ماں باپ قسمت نے اس سے چھین لیے تھے۔ اس میں اس کی تو کوئی غلطی نہیں تھی۔ پھر دنیا والے اسے سزا کیوں دے رہے تھے؟ اس سے جینے کا تاوان کیوں مانگ رہے تھے؟ اس بھری دنیا میں وہ اکیلی رہ گئی تھی تو اس میں اس کی کیا خطا تھی؟ کیا بنت حوا کی اپنی کوئی پہچان' کوئی حوالہ نہیں؟ ابن آدم کا سایہ اس کے سر پر نہیں تھا تو وہ کیا کر سکتی تھی؟ مال مفت کی نظر سے دیکھنے والے ابن آدم میں کیا اتنی غیرت نہیں تھی کہ اس کے سر پر چادر ڈال کر اسے دنیا کی نظروں میں معتبر کر سکتا؟ میز پر سر رکھے وہ پھوٹ پھوٹ کے رو رہی تھی۔ اپنی بے بسی پر اپنے لڑکی ہونے پر آہ و فغاں کر رہی تھی کہ یا تو اسے لڑکی نہیں بنانا تھا یا پھر اس کے سر سے باپ کا سایہ نہیں چھیننا۔ اپنے سر پر سے کسی ہاتھ کے لمس کا احساس ہوا تھا۔ اس نے بے ساختہ سر اٹھایا عبد اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔ عبد نے اسے رونے دیا اور جب وہ رو چکی تو اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"جھوٹ بولنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ بتاؤ کیا بات ہے؟" اس کا لہجہ حد درجہ سنجیدہ تھا۔ اسے بھی ایک مہربان کندھے کی شدت سے طلب ہو رہی تھی۔ اس نے رستم کے متعلق اسے بتا دیا۔

"وہ کل بارات لانے کی بات کر گیا ہے۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کیا کروں۔"

"یہ بات تم مجھے اب بتا رہی ہو؟" انداز شاکی تھا۔

"میں آپ کو گھسیٹنا نہیں چاہ رہی تھی اپنے ساتھ۔"

"پاگل ہو تم اور رہی رستم کی بات تو اسے تو میں دو منٹ میں ٹھیک کر دوں گا۔" انداز میں جلال تھا۔

"نہیں عبد بھائی' آپ اس سے نہیں الجھیں گے۔ بس کسی طور اس سے پیچھا چھوٹ جائے۔"
"بنا تماشے کے آپ چاہتی ہیں کہ رستم سے پیچھا چھوٹ جائے تو اس کا سب سے مناسب حل یہ ہے کہ آپ کا نکاح فوری پر کسی ایسے شخص سے ہو جائے جو بااختیار بھی ہو اور رستم کو ہینڈل بھی کر سکے۔" یہ عبد کی بجائے کس کی آواز تھی۔ اس نے بے ساختہ سر اٹھایا تھا۔
ابتہاج حسن ان دونوں کے روبرو تھا۔ عبد نے نیہان کے بگڑتے چہرے کو دیکھا جسے ابتہاج کی دخل اندازی بہت بری لگی تھی۔
"یہ مناسب حل ہے۔" سامنے پڑی چیئر پر وہ بیٹھ گیا۔
"ایکسکیوزمی۔" اپنی چیئر پیچھے دھکیل کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر روم سے باہر نکل گئی۔ دونوں ہکابکا رہ گئے۔
"اسے کیا ہوا؟"
"ایک تو تجھے اپنے روم میں چین نہیں آتا۔ کیا ضرورت تھی اس وقت انٹری دینے کی؟" عبد اس پر بگڑ رہا تھا۔
نانو نے کئی بار اس کی غائب دماغی کو محسوس کیا۔ دیکھ رہی تھیں وہ کسی الجھن میں تھی۔ ابتہاج کی باتوں نے اسے اور چراغ پا کر دیا تھا۔ بطور ناراضگی اس نے عبد سے بھی تمام وقت بات نہیں کی تھی۔ کل کے لیے وہ خود ہی کوئی راہ ڈھونڈ رہی تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو نانو نماز پڑھ رہی تھیں۔ وہ دروازے تک آئی۔
"میں عبد ہوں' دروازہ کھولو نیہان۔" باہر سے عبد کی آواز آئی تھی اس نے اچنبھے سے سوچا۔ رات کے آٹھ بجے انہیں کیا ہو گیا۔ جائے نماز سیٹ کر کے نانو بھی چلی آئی تھیں۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ عبد سب میں آگے تھا۔ اس کے پیچھے کئی لوگ اندر آئے تھے۔ ابتہاج دو تین مردوں کے ساتھ ذرا دور گلی میں کھڑا تھا۔ ان کے حیران پریشان چہرے کو دیکھتے ہوئے عبد نے تعارف کرایا۔
"نانو! یہ ابتہاج کے بھیا اور بھابی ہیں اور یہ میری ماما ہیں۔"
"خوش آمدید بیٹا لیکن بات کیا ہے؟" نانو ہول رہی تھیں۔
"آئیے اندر چل کر بات کرتے ہیں۔" عبد کی قیادت میں سب کمرے میں چلے گئے اور وہ اکیلی صحن میں کھڑی رہ گئی۔ عبد نے سبھاؤ سے گفتگو کا آغاز کیا اور رستم کی دھمکی نانو کے گوش گزار کر دی۔ اسے خبر تھی نیہان نے انہیں بے خبر رکھا تھا۔ نانو کی آنکھوں میں خوف و ہراس چھا گیا۔
"آپ یہ مت سمجھیے گا نانو کہ ہم آپ کی مجبوری سے فائدہ اٹھا رہے ہیں بلکہ یہ ابتہاج کی دلی خواہش ہے کہ نیہان اس کے نکاح میں آ جائے۔ کل یا پرسوں ہمیں آپ کے آگے دست سوال تو پھیلانا ہی تھا تو کیوں نہ آج ہی اس نیک کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا جائے۔ ہمارے مما' پپا ہوتے تو وہ خود آپ سے بات کرتے مگر وہ عمرے کی سعادت حاصل کرنے گئے ہیں اور یہاں آنے سے قبل ہم نے ان کی رضامندی حاصل کر لی ہے اور اب آپ سے التجا ہے کہ نیہان کو ہمیں سونپ دیں۔"
نانو جو مردوں جیسی ہو گئی تھیں عبد کی باتوں سے ان میں پھر جان پڑ گئی۔
"میں کس طرح تم لوگوں کا شکریہ ادا کروں بیٹا۔" وہ آبدیدہ ہو گئیں۔ عبد کی ماما نے انہیں ساتھ لگا لیا۔
"بس آپ ہاں کر دیجیے۔"
"میری طرف سے ہاں ہے۔"
عبد نے باہر گاڑی میں موجود مردوں کو اندر بلا لیا جن میں ایک نکاح خواں تھا۔ نانو دوسرے کمرے میں موجود نیہان کے پاس آ گئیں اور اسے ساتھ لگا کر رونے لگیں۔ وہ حیران پریشان بیٹھی تھی۔
"روئیے نہیں اماں بس اس کے لیے دعا کیجیے۔" ماما نے انہیں الگ کر کے کھونٹی پر لٹکی چادر نیہان کے وجود پر ڈال دی۔ عبد کی قیادت میں قاضی صاحب اور گواہان اندر داخل ہو گئے۔
"بیٹی نیہان بنت وقار تمہیں حق مہر دو لاکھ روپے

ابتاج حسن رضوی بن حسن رضوی کے نکاح میں دیا جاتا ہے تمہیں قبول ہے؟'' عبد اس کے برابر میں بیٹھ چکا تھا۔ جب کہ نانو بائیں سائیڈ براجمان تھیں۔

''بولو نیہان۔'' عبد کا ہاتھ اس کے سر پر آپڑا تھا۔ نیہان کو لگ رہا تھا اس کی ساری حیات کو موت آ گئی ہے۔

''بولیے بیٹا۔'' قاضی صاحب کا اصرار گونجا۔

''ہاں کہو نیہان۔'' نانو کی لرزتی آواز نے اس کی نگاہوں کے سامنے ماضی کی فلم چلادی۔ ''نیہان۔'' نانو نے لرزتے ہاتھوں سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''جی ہاں۔'' اس کی آواز دھیمی تھی۔ قاضی صاحب نے دوسری اور تیسری بار بھی سابقہ الفاظ دہرائے۔ اس نے جی ہاں کہہ دیا۔

''دستخط کیجیے۔'' عبد نے اسے پین پکڑا دیا۔ ایک معمول کی طرح اس نے دستخط کر دیے۔ ''مبارک ہو۔'' کی صدا گونجی تھی۔ نانو نے اسے گلے لگا لیا۔ نکاح کے بعد سب جانے کی تیاری کر رہے تھے تبھی عبد اس کے پاس آیا۔ وہ ابھی تک اسی انداز میں بیٹھی تھی۔

''نیہان۔'' عبد کی پکار پر بھی اس کا انداز نہ بدلا۔ ''میں جانتا ہوں کہ جو کچھ ہوا وہ تمہاری رضا کے منافی لیکن وقت و حالات کے عین مطابق ہے۔ اس کا اندازہ تمہیں جلد ہو جائے گا جب لوگوں کی تم پر اٹھنے والی نگاہیں یہ سن کر جھک جائیں گی کہ تمہارا نکاح ہو چکا ہے۔ تمہیں میں نے بہن سمجھا ہے اور میں نے وہی کیا جو بحیثیت ایک سگے بھائی کو ان حالات میں کرنا چاہیے تھا۔ رہی بات ابتاج کی' مانا اس میں کچھ خامیاں ہیں مگر خامیاں کس میں نہیں ہوتیں' تمہاری تسلی کو میں حلف اٹھانے کو تیار ہوں کہ اس میں کوئی اخلاقی برائی نہیں ہے۔ وہ باکردار نہ ہوتا تو میں کبھی تمہیں اس سے منسوب نہیں کرتا۔'' نیہان کا انداز ہنوز تھا جیسے عبد اس سے نہیں دیواروں سے بات کر رہا ہو۔

''تمہارا اور نانو کا اکیلا رہنا مناسب نہیں اس لیے تم اور نانو ابھی میرے ساتھ چلو۔ اپنی بہن کی رخصتی انشاء اللہ میں یہیں سے کروں گا۔ ضروری چیزیں پیک کر لو میں دوسرے کمرے میں ہوں۔'' اس کے سر پر ہاتھ پھیر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں اور نانو کہیں نہیں جائیں گے۔'' انداز حد درجہ بیگانہ تھا۔ عبد کو مڑنا پڑا۔

''تمہیں آنے والے وقت و حالات کا اندازہ نہیں ہے نیہان۔'' اس کے بچپنے پر اسے غصہ آ گیا۔

''کچھ بھی ہو لیکن میں یہیں رہوں گی۔'' انداز بے لچک تھا۔ عبد کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے نیہان کے ساتھ واقعی کوئی گناہ کر دیا ہے۔

''نانو آپ ہی اسے سمجھائیے بچوں جیسی ضد کر رہی ہے۔'' عبد نے اندر آتی نانو سے شکایت کی۔

''عبد ٹھیک کہہ رہا ہے نیہان کچھ دن......''

''آپ کو جانا ہے تو آپ چلی جائیے میں یہیں رہوں گی۔'' اس کے انداز میں خودسری چھلک رہی تھی۔ جب سب کچھ ہماری مرضی کے خلاف ہو رہا ہو تو ایک عجیب سی جھنجلاہٹ سوار ہو جاتی ہے۔ اپنی زندگی میں اچانک در آنے والی اور سر سے پاؤں تک ہلا دینے والی تبدیلی پہ نیہان قطعاً ناخوش تھی۔

''تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کر رہی ہو؟'' عبد جھنجلایا۔

''اب کچھ نہیں ہوگا۔ آپ بے فکر ہو کر اپنے گھر جائیں۔'' عبد ہی اسے اپنا دشمن لگ رہا تھا۔ پھر عبد کی ماما' بھیا' نانو نے لاکھ سمجھایا مگر اس کی ایک ہی رٹ کہ یہیں رہنا ہے۔

''ابھی تو جا رہا ہوں۔ صبح کو پھر آؤں گا اور دیکھوں گا تم کیسے نہیں جاتی ہو۔'' عبد کو اس کی ہٹ دھرمی ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔ اس سارے قصے میں ابتاج خاموش رہا تھا۔ نانو سے بنا کوئی بات کیے چپ چاپ وہ بستر پر دراز ہو گئی۔ نانو نے بات کرنے کی کوشش کی تو آگے سے ٹکڑا لگا دیا۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے۔'' اور کروٹ بدل گئی۔

ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔ صبح جا کر کہیں آنکھ لگی تھی۔ دس بجے نانو نے جھنجوڑ کر اٹھایا تو اس کی آنکھ

کھل گئی۔ چھٹی کا دن تھا۔ وہ کسلمندی سے پڑی رہی۔

"اٹھ کر منہ ہاتھ دھولو۔ عبد آتا ہی ہوگا اور دیکھو اس سے بحث نہیں کرنا۔ وہ ہمارے بھلے ہی کو رات اصرار کر رہا تھا۔" نانو ضروری چیزیں پیک کر رہی تھیں۔ ان سنی کیے وہ منہ دھونے چل دی۔ واپس آئی تو نانو نے چائے کا کپ تھما دیا۔ وہ سپ لینے لگی۔ ساتھ ہی سوچنے لگی کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ جب کہ نانو کا انداز تو ایسا تھا جیسے دو منٹ بھی یہاں نہ رکیں گی۔ دروازے پر دستک ہوئی نانو کمرے کے اندر تھیں۔ وہ نزدیک تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ اگلے ہی لمحے خوف سے نچڑ گئی۔ اس کے وہم و گماں میں بھی نہ تھا کہ رستم کی صورت نظر آئے گی۔ اس نے تو عبد کے دھوکے میں بنا پوچھے کھول دیا تھا۔ ہلکی سی چیخ کے ساتھ اس نے دروازہ بند کرنا چاہا مگر پٹ دھکیل کر وہ اندر داخل ہو چکا تھا۔ اس کی چیخ سے کانپتی نانو کمرے سے نکل آئیں اور رستم کو دیکھتے ہی ان کی حالت غیر ہونے لگی۔

"تو رنگ لے ہی آیا تمہارا جاب کرنا؟ پڑھوالیا نکاح اس سے؟" اس کا لہجہ غضب ناک تھا۔ انہیں عام دنوں سے زیادہ اس سے خوف محسوس ہوا۔ "سوچا تھا تجھے رانی بنا کر رکھوں گا مگر تو نے چھپ کر نکاح کر لیا۔ اگر میں کل یہاں ہوتا تو سالوں کی لاشیں خون میں لت پت ہوتیں۔ وہ تو میرے آدمی نے مجھے وقت گزرنے کے بعد اطلاع دی اور انعام کے طور پر اس کی آنکھیں اور زبان نکال کر اس کے سامنے رکھ آیا ہوں۔ تجھ سے نکاح نہ کر سکا تو کیا ہوا؟ مقصد تو تجھے حاصل کرنا ہی ہے نا۔ تجھے رخصتی کے لائق نہیں چھوڑوں گا۔" وہ بھیڑیے کی طرح نیہان کی طرف بڑھا جو اس کی باتوں سے کانپ رہی تھی۔ نانو چیل کی طرح اس کے اور نیہان کے درمیان آ گئیں۔

"تجھے خدا کا واسطہ رستم بخش دے ہمیں۔" نانو اس کے آگے گڑگڑانے لگیں۔ جب کہ وہ مارے خوف کے چپکی کھڑی تھی۔

"ہٹ بڑھیا ایک طرف۔" نانو کو بازو سے پکڑ کر اس نے پرے دھکیل دیا۔ وہ فرش پر اوندھے منہ گریں۔

"نانو۔" وہ تڑپ کے آگے بڑھنے لگی مگر اس کا بازو رستم کے شکنجے میں تھا۔ اسے گھسیٹتے ہوئے وہ دروازے کی طرف لے جا رہا تھا۔ نانو ایک بار پھر ان کے درمیان آ گئی تھیں۔ اس کا بازو چھوڑ کے رستم نے نانو کے بوڑھے چہرے پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔

"ذلیل، کمینے چھوڑ نانو کو۔" نیہا نے اس کے بال نوچ ڈالے۔ نانو کو اس نے ایک بار پھر دھکیل دیا تھا اس بار وہ دیوار سے ٹکرائیں۔ اس کا بازو پکڑے وہ اسے گھسیٹ رہا تھا۔

"کوئی تو بچاؤ میری بچی کو......" نانو سینے پر ہاتھ رکھے کراہنے لگیں۔ ان کی چیخوں سے گھروں کے دروازے کھلنے لگے تھے۔ سینہ پکڑے نانو فرش پر لڑھک گئیں۔

"نانو۔" نیہان پھٹی پھٹی آنکھوں سے نانو کے وجود کو دیکھ رہی تھی۔ صورت حال کی گمبھیرتا نے رستم کو بھی گھبرانے پر مجبور کر دیا۔ رستم نے جھک کر دیکھا اور اس کی آنکھوں میں خوف سمٹ آیا۔

"کون ہے اندر؟" معظم صاحب کے ساتھ کئی اور مردانہ آوازیں آئیں۔ دروازہ کھول کر لوگوں کو دھکیلتا رستم رفوچکر ہو گیا۔ محلے کے بزرگ اندر داخل ہوئے۔ نیہان نانو کے مردہ وجود سے لپٹی بین کر رہی تھی۔

"نانو! اٹھو نانو۔" مگر نانو آخری سفر کو روانہ ہو چکی تھیں۔ عورتیں افسوس کر رہی تھیں۔ تبھی مجمعے کو چیرتا عبد سامنے آیا۔ نانو کے مردہ سر کو نیہان کی گود میں دیکھ کر اسے سکتہ ہو گیا۔

نیہان نے بڑے کرب سے پکارا۔

"بھائی! نانو چلی گئیں۔ کاش میں نے کل آپ کی بات مان لی ہوتی۔" وہ کف افسوس مل رہی تھی۔ اسے دلاسہ دیتے ہوئے وہ خود آبدیدہ ہو گیا۔ "ہم رستم کے پیچھے گئے تھے۔ آگے پولیس اور ڈاکوؤں کی کراس فائرنگ کی زد میں آ کر رستم مر گیا۔ رستم کے پیچھے گئے لڑکے واپس

آ گئے۔ بدی کا انجام ہمیشہ برا ہی تو ہوتا ہے اگر رستم کو خبر ہوئی کہ آج کاتبِ تقدیر نے موت کو اس کے پیچھے لگا دیا ہے تو شاید وہ آج گھر سے ہی نہ نکلتا۔ عبد نے سب کو فون کر دیا سب بھاگے چلے آئے۔

''نیہان! کسی رشتے دار کو اطلاع دینی ہے؟'' نانو کے بکس سے اس نے ماموں کا ایڈریس لا تھمایا، عبد نے انتقال کا لیٹر روانہ کر دیا۔ ماموں کا انتظار، انتظار ہی رہا اور نانو کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ چند ایک عورتیں بیٹھی تھیں۔ باقی اپنے گھروں کو لوٹ چکی تھیں۔ عبد کے بھائی، ماما، ابتہاج بھیا، بھابی سب موجود ہے۔ معظم صاحب کے گھر سے کھانا آیا تھا مگر کسی نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ ماحول کا سناٹا سب کی روح میں اتر گیا تھا۔ رات زیادہ ہوئی تو بھیا اور بھابی چلے گئے۔ ماما رک گئی تھیں۔

''مردوں میں کون رہے گا؟''

''میں رکوں گا۔'' ابتہاج نے جلدی سے کہا۔

''نہیں بیٹا' تمہارا رکنا مناسب نہیں۔ محلے والوں کو خبر ہو گئی ہے کہ نکاح ہو چکا ہے فضول میں چہ مہ گوئیاں ہوں گی۔ تم جاؤ میرا خیال ہے عامر ٹھیک رہے گا۔'' ماما نے فائنل کر دیا۔ کمرے کی دہلیز پر ٹھوڑی گھٹنوں پر ٹکائے بیٹھی وہ اب بھی رو رہی تھی۔ ابتہاج نے اس کی سوجی آنکھوں پر اچٹتی نظر ڈالی۔ نکاح کے بولوں نے کیسے سارے فاصلے سمیٹ دیئے تھے۔ اس گھڑی کتنی اپنی اپنی لگ رہی تھی وہ۔ جی چاہ رہا تھا سینے سے لگا کر اس کے آنسو پونچھے۔ دلاسہ دے مگر سب کی موجودگی میں وہ فقط سوچ کے رہ گیا۔

عامر دوسرے کمرے میں سو گیا تھا۔ کنڈی چڑھا کر ماما اندر آئیں تو الماری سے نانو کے کپڑے نکالے وہ انہیں محسوس کر رہی تھی۔ آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

''مت رو بیٹا۔'' انہوں نے اس کے بال سہلائے۔

''میری وجہ سے ہوا ہے یہ سب۔ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ اگر میں کل عبد بھائی کی بات مان لیتی تو نانو نہیں مرتیں۔ کتنی ذلیل ہوں میں..... '' وہ خود کو گالیاں دینے لگی۔ اپنے بال نوچنے لگی۔

''نہیں بیٹا' ایسا سوچو بھی نہیں' موت کا وقت اٹل ہے۔ ہماری تمہاری وجہ سے کچھ نہیں ہوتا۔ سب اوپر والے کی مرضی سے ہوتا ہے۔ اس کی امانت تھی اس نے لے لی۔ بس تم صبر کرو۔''

''کتنا صبر کروں؟ ماں' باپ چھن گئے اور اب میرا آخری سہارا نانو تھیں تو اللہ نے انہیں بھی بلا لیا۔ اب میرا کوئی نہیں ہے۔'' اسے سنبھالنا ماما کو مشکل لگ رہا تھا۔

''ہم ہیں نا تمہارے۔ اللہ نے تمہارے ماں' باپ کو بلا لیا تو میں ہوں ناں تمہاری ماں بننے کو۔ بھائی ہیں تمہارے ساتھ اور پھر ابتہاج بھی تو اب تمہارا ہے۔ شوہر تو آدھی دنیا ہوتا ہے بیٹا۔ وقت و حالات گزریں گے تمہاری نسل چلے گی اور زندگی کا کارواں یونہی چلتا رہے گا۔'' اس کا سر گود میں رکھے وہ مسلسل سمجھا رہی تھیں پھر نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

سب نے حتی الامکان اس کا خیال رکھا تھا۔ سب متواتر اس کی خیریت دریافت کرنے آ رہے تھے۔ سب نے چاہا تھا کہ وہ عبد کے گھر شفٹ ہو جائے مگر اس کے موڈ کو دیکھتے ہوئے کسی نے زور نہیں دیا تھا۔ ماما بدستور اس کے ساتھ تھیں ان کا ارادہ چہلم کے بعد اسے ساتھ لے جانے کا تھا۔ دنیا والوں کی سوچ کے پیش نظر ماما نے ابتہاج کو کم سے کم چکر لگانے کا کہہ دیا تھا مگر بذریعہ فون وہ ماما سے روز اس کی خیریت دریافت کرتا تھا۔ نکاح سے متعلق نیہان کی چپ بدستور قائم تھی۔ دسواں بخیر و خوبی گزر گیا تھا۔ اگلے روز فجر کے وقت دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ ماما نماز پڑھ رہی تھیں۔ وہ نظریں چھت پر جمائے کچھ سوچ رہی تھی۔ اٹھ کر دروازے تک آئی۔

''کون ہے؟''

''تمہارا بدنصیب ماموں ہوں بیٹا' دروازہ کھولو۔'' باہر سے روہانسی آواز آئی۔ اس نے جھٹ سے دروازہ کھول دیا۔

''ماموں! نانو مجھے چھوڑ کر چلی گئیں۔'' دروازے پر

ہی دونوں مل کر رونے لگے۔

"نیہان! ماموں کو اندر آنے دو بیٹا۔" ماما بھی چلی آئیں ماموں صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ گئے۔

"نانو آپ کو بہت یاد کرتی تھیں ماموں۔ آپ امی پاپا کی موت پر بھی نہیں آئے۔" وہ ایک بار پھر بچھڑے ہوؤں کو یاد کر کے رو پڑی۔

"میں بہت بدنصیب ہوں بیٹا جو اپنے پیاروں کو کاندھا نہ دے سکا۔ زندگی کے جھمیلوں میں، میں اپنوں کو بھول گیا تھا۔ سال بھر پہلے میں نے پرانا مکان چھوڑ دیا تھا۔ اسی باعث مجھے آپا اور بھائی صاحب کی موت کی خبر نہ مل سکی۔ مجھ بدنصیب کو کیا خبر تھی کہ میری ماں اور بھانجی اکیلی رہ گئی ہیں۔ مجھے نئے سانحے کی بھی خبر نہ ہوتی جو میں کسی کام سے مکان مالک کے پاس نہ جاتا۔ انہوں نے ہی مجھے دونوں خطوط دیئے تب مجھے خبر ہوئی کہ میری ماں مجھ سے روٹھ کر جا چکی ہے۔ آہ آپا۔" ماموں خود بھی رو رہے تھے اور اسے بھی رلا رہے تھے۔

"میں قبرستان سے ہو کر آتا ہوں۔ تم تیاری کر لو میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔"

ماموں قبرستان جا چکے تھے جب کہ نیہان جلدی جلدی ناشتہ بنانے لگی۔ ماما اس کی تیز رفتاری دیکھنے لگیں۔

"نیہان! تم ماموں کے ساتھ جاؤ گی؟"

"جی! یہاں نانو کی بہت یاد آتی ہے۔"

"تو پھر میرے ساتھ چلو۔" انہیں اس کا انداز سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ کہاں تو یہاں سے جانے کو تیار نہ تھی اور کہاں یہ عالم کہ ماموں کو دیکھتے ہی رخت سفر باندھ لیا۔

"میں ماموں کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔" اس نے جھجکتے ہوئے مدعا بیان کیا۔

"جیسے تمہاری مرضی۔ میں ابتہاج کو فون کر دیتی ہوں۔" ماما اٹھ کر موبائل لینے گئیں۔

"ماما پلیز انہیں ابھی مت بتائیے کہ میں ماموں کے ساتھ جا رہی ہوں۔" وہ ان کے پیچھے آئی۔

"کیوں؟" ماما نے جانچتی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"پھر وہ مجھے جانے نہیں دیں گے۔" انگلیاں مروڑتی گویا تھی۔

"لیکن بیٹا وہ تمہارا شوہر ہے۔ اس کی رضا مندی ضروری ہے۔" انہوں نے سمجھانا چاہا۔

"کون سی ابھی رخصتی ہو گئی ہے جو وہ حق جتائیں گے وہ تنکی۔" انہوں نے اس کے بگڑے لہجے کو بخوبی محسوس کیا اس کا انداز انہیں سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔ موبائل رکھ کر انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے بٹھایا اور خود بھی بیٹھ گئیں۔ اس کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا۔

"میں نے تمہیں اپنی سگی بیٹی کی طرح چاہا ہے نیہان بحیثیت ایک ماں میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔ مجھ سے بے تکلف ہو کر بتاؤ کیا ابتہاج تمہیں ناپسند ہے؟" وہ ایک دم ٹپٹا گئی۔ اسے ماما سے ایسے سوال کی توقع نہ تھی مجھے بتاؤ نیہان...... وہ ہر لحاظ سے اچھا ہے۔ اگر تمہاری جگہ میری کوئی سگی بیٹی بھی ہوتی تو بحیثیت داماد میرا انتخاب ابتہاج ہی ہوتا۔ برسوں سے جانتی ہوں میں اسے اس کی خوبیاں خامیاں میری نظر میں ہیں۔ اس لیے جب یہاں آنے سے پہلے عبد نے مجھے بتایا کہ وہ تمہارا نکاح ابتہاج سے کروا رہا ہے تو مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی۔ کیونکہ تمہارے لائف پارٹنر کو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ ویل ایجوکیٹڈ ویل اسمارٹ، اب تم بتاؤ کیا وہ تمہیں اچھا نہیں لگتا۔ یا کوئی اور......"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے ماما۔" وہ جلدی سے بولی۔

"پھر تمہارے تجاہل کو میں کیا نام دوں؟ اول تو وہ یہاں آتا ہی کم ہے اگر آتا بھی ہے تو تم یکسر لاتعلق بن جاتی ہو۔ اس کی کال ریسیو نہیں کرتیں جب کہ اس کی سائیڈ سے معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کیا اسے میں تمہاری شرم سے تعبیر کروں؟ جواب دو نیہان۔" ماما کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کی ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا۔

"بلاشبہ ان میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو لڑکی اپنے لائف پارٹنر میں دیکھتی ہے۔" بڑا نپا تلا جواب تھا۔ ماموں

کی بروقت آمد ہوئی تو اس کی جان بخشی ہوئی۔ ناشتے کے بعد وہ چلنے کو تیار تھی۔

"بہت شکریہ بہن جی۔ آپ نے میری نیہا کا خیال رکھ کر مجھ پر احسان کیا ہے۔" ماما کے متعلق اس نے ماموں کو بتا دیا تھا۔

"احسان کیسا بھائی صاحب' یہ میری بچی بھی تو ہے۔" ماما نے اسے گلے لگا لیا۔

"ان دنوں آپ نے میرا اسی طرح خیال رکھا ہے جیسے میری امی رکھتی تھیں۔ میں آپ کی محبت کا کوئی بدل نہیں دے سکتی۔"

"خوش رہو ماما کی یاد آئے تو فوراً چلی آنا۔ ورنہ میں خود آ جاؤں گی لینے۔" ماموں نے اپنا ایڈریس ماما کے حوالے کر دیا تھا۔ الوداعی نظروں سے گھر کو دیکھتے ہوئے نیہان اگلے سفر کو روانہ ہو گئی تھی۔

☆☆

گھر اسٹاپ سے کافی دور تھا۔ انہوں نے تانگہ لے لیا۔ تانگہ ایک پسماندہ علاقے میں داخل ہو چکا تھا۔ نیہان حیدرآباد پہلی بار آئی تھی۔ لال اینٹوں کے بنے مکانات' تنگ گلیاں' رنگ و روغن سے محروم دیواریں دیکھ کر اس کا دل گھبرانے لگا۔ اسے اپنا کراچی کا چار کمروں والا کشادہ گھر قدم قدم پر یاد آ رہا تھا۔ بارونق گلیاں یادوں کے در کھٹکھٹا رہی تھیں۔ کراچی حقیقتاً روشنیوں اور رعنائیوں کا شہر ہے۔ اس کی رنگینیوں کا مقابلہ کوئی شہر کر ہی نہیں سکتا۔ تانگہ ایک درمیانے درجے کے مکان کے سامنے رکا تھا۔ دروازہ کھلا تھا اور کاٹن کا میلا کچیلا پردہ جس میں جابجا سوراخ تھے۔ اپنی رنگت کھو کر پردہ پوشی کا بھرم رکھے ہوئے تھا۔ ماموں پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوئے اسے بھی ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ اندر شور و غل کا بازار گرم تھا۔

"آ گئے تم؟" بیچ صحن میں کمر پر دونوں ہاتھ دھرے کرخت چہرے اور کرخت آواز والی عورت نے ماموں کو دیکھتے ہی استفسار کیا۔ "یہ کسے اٹھا لائے ساتھ؟" ابھی اس سوال کا جواب نہیں ملا تھا کہ انہوں نے دوسرا سوال بھی جڑ دیا۔

"یہ بھانجی ہے میری۔ نیہان' یہ مامی ہیں تمہاری سلام کرو انہیں۔" ماموں کا انداز خادموں جیسا تھا۔

"مامی کے چہرے کی کرختگی اور بچوں کے شور و غل نے نیہان کی زبان تالو سے لگا دی تھی۔ گو بچے اب خاموشی سے اماں کے ساتھ کھڑی نیہان کو دیکھتے ہوئے ایک دوسرے کے کان میں سرگوشی کر رہے تھے۔

"السلام علیکم۔" حلق تر کر کے بولی۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔" ان کا انداز ہی جگ سے نرالا تھا۔ اب وہ سوالیہ نظروں سے ماموں کو دیکھ رہی تھیں۔

"یہ اب یہیں رہے گی۔" ماموں نظریں چرانے لگے۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ تمہاری کمائی میں بچوں اور اپن کا پورا نہیں پڑتا اور تم ایک مصیبت اور اٹھا لائے۔" وہ تنتنا کر بولیں۔

"تو کیا اکیلا چھوڑ آتا؟ کیسی بات کرتی ہو تم' لڑکی ذات ہے۔" ماموں کا انداز ملتجی تھا۔ پھر مامی کو جیسے اس پر رحم آ گیا۔

"ٹھیک ہے رہ لے یہاں۔ مجھ سے اور زیادہ کی توقع مت رکھنا۔" اس بار وہ ڈائریکٹ نیہان سے مخاطب ہوئیں اور چاروں بچوں کو دھموکے جڑ کے اپنے ساتھ کمرے میں سونے لے گئیں۔ نیہان ششدر کھڑی رہ گئی تھی۔ حقیقی ماموں کے گھر ایسا سلوک ہوگا اس کے وہم و گماں میں نہ تھا۔

"معاف کرنا بیٹا تمہاری مامی زبان کی بہت کڑوی ہے۔ میرا انتخاب ہے اس لیے کبھی تم لوگوں سے ملانے نہیں لایا۔ اس کی بات کا برا نہیں ماننا۔ ہو سکے تو اس کے ساتھ مل کر گھر کے امور انجام دے لینا' تمہیں بھوک لگی ہو گی' ٹھہرو میں کھانا لاتا ہوں۔" ماموں ایک سائیڈ پر چن کی طرف بڑھ گئے۔ اس نے تھکی تھکی سانس خارج کی۔ صحن خاصا کھلا کھلا تھا۔ نیم کا اکلوتا تناور شجر ایستادہ تھا۔ آگے بڑھ کے وہ نیم کے پیڑ کے نیچے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ تانگوں نے

جیسے جسم کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔

"معاف کرنا بیٹا۔ اس وقت گھر میں صرف یہی ہے۔" ماموں نے باسی روٹی اور چائے کا کپ اس کے سامنے لا رکھا۔

"کوئی بات نہیں ماموں۔" ان کی شرمندگی دور کرنے کو اس نے کپ اٹھا لیا۔ روٹی ویسی ہی پڑی رہی تھی۔ ویسے بھی اس کی حالت کھانے لائق نہیں تھی۔ برتن کچن میں رکھنے گئی تو جوٹھے برتنوں سے کچن نظر نہیں آ رہا تھا۔ برتنوں کا انبار جمع تھا۔ گھر والے غالباً ایک ایک برتن گندہ کرنے کے بعد برتن دھونے کے عادی تھے۔ ایک نظر ہی میں اس نے گھر اور کچن کی ابتری کا اندازہ لگا لیا۔ اس کی نفاست پسند طبیعت مکدر ہوگئی تھی۔ آستینیں چڑھا کر وہ برتن دھونے لگی۔

"شاباش بیٹا اب کچھ دیر آرام کر لو۔" ماموں اس کے کام سے کافی خوش نظر آ رہے تھے۔ وہ واپس اندر کمرے میں چلے گئے اور وہ نیم کے پیڑ کے نیچے پلنگ پر پیر لٹکا کر بیٹھ گئی۔ کمر دہائی دے رہی تھی۔ اس نے لیٹنے کا قصد کیا مگر پلنگ پر پڑی چادر اور تکیہ سے غالباً دل نہیں بھرا۔ اپنی چادر اتار کر اس نے تکیہ اور پلنگ پر بچھا دی۔ دوپٹے کو جسم کے گرد لپیٹ کر لیٹ گئی۔ نجانے زندگی مزید کس نئے روپ میں اس کے سامنے آنے والی تھی۔

مامی کی خوشنودی کے لیے وہ صبح سے رات تک چک پھیری بنی رہتی تھی مگر مامی کے ماتھے کی لکیریں اپنی جگہ مسلم رہتیں تھیں۔ ان کے نالائق بچوں کو وہ بہ خوشی ٹیوشن پڑھانے کو تیار ہوگئی تھی۔ کہنے سے پہلے ہی وہ ہر کام کر دیتی تھی مگر مامی نے نجانے اس سے کون سا بیر باندھ لیا تھا۔

"یہ تم کس فتنہ فساد کو اٹھا لائے ہو؟" رات کو مامی ماموں سے محو کلام تھیں۔ نیہان ٹھٹک گئی اور ان کی گفتگو سننے کی کوشش کرنے لگی۔ ویسے بھی مامی کو کون سا کسی کے سننے نہ سننے سے فرق پڑتا تھا۔ وہ ہر بات ڈھنڈورا پیٹ کر کرنے والی تھیں۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"یہ پوچھو کیا نہیں ہوا؟" انداز ترش تھا۔

"بات کیا ہے؟ پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو۔" وہ زچ ہوگئے۔

"جب سے تمہاری بھانجی آئی ہے محلے کے لڑکوں کے چکر ہمارے دروازے کے لگنے لگے ہیں۔ وہ امتیاز ہے نا! بشیر کا بیٹا دن میں چار بار تمہارا پوچھنے کے بہانے دروازہ بجاتا ہے۔"

"مگر نیہان تو کسی کے سامنے نہیں آتی۔"

"اس کی آواز نے ہی دس عاشق پیدا کر دیے ہیں جس دن کسی نے اس کی صورت دیکھ لی اسی دن طوفان آ جائے گا۔ نجانے اللہ ایسیوں کو خوب صورت کیوں بناتا ہے۔" نیہان ہتک کے احساس سے رو پڑی۔

"اگلی بار سے کوئی بھی آئے نیہان کو دروازے پر نہ بھیجنا۔" انہوں نے منع کیا۔

"میں کب اسے کسی کام کا کہتی ہوں۔ اسے خود ہی شوق ہے اپنی آواز سنانے کا۔ نجانے کراچی میں کتنے طلب گار ہوں گے اس کے؟" ہتھیلی سے لبوں کو دبائے وہ چیخوں پر بند باندھ رہی تھی۔ احساس، مروت، لفظوں کی کاٹ، دل آزاری، مامی کو کسی چیز کی پروا نہیں تھی۔ گلا اسے مامی سے نہیں تھا۔ سارا قصور تو ماموں کا تھا۔ شوہر جو بیوی کا سرپرست ہوتا ہے جب وہی صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح کہنے کی جرات نہ رکھتا ہو تو کیا فائدہ مرد ہونے کا۔ قصور عورتوں کا نہیں ہوتا۔ مرد عورت کو اتنی چھوٹ دیتا ہی کیوں ہے کہ پھر اس کی ذات سے مائنس ہو جاتی ہے۔ جب دونوں گاڑی کے پہیے ہیں تو توازن کیونکر بگڑتا ہے؟

"آپا! یہ کون ہے؟" مامی کے جیری بھائی کی چبھتی ہوئی نظریں نیہان کے وجود سے چپک گئی تھیں۔

"بھانجی ہے تیرے بہنوئی کی۔" مامی نے اکتا کر جواب دیا۔ بھائی کی نظروں کا مفہوم بخوبی سمجھ گئی تھیں۔

"اب تک کپڑے اترے نہیں تار سے جا کر آٹا گوندھ۔" بھائی کو اپنا رعب و دبدبہ دکھانے کو چیخنے لگیں۔ کپڑے کمرے میں رکھ کر اس نے شکر ادا کیا اور کچن میں

چلی گئی۔ اس کی چبھتی نظروں نے اسے زچ کر دیا تھا۔ پھر تو اکثر ہی نعیم نظر آنے لگا تھا اور نیہان اس کی موجودگی میں کلستی رہتی۔

"آپا! تم اس سے میری شادی کر دو نا' میں تم سے وعدہ کرتا ہوں چرس پینا چھوڑ دوں گا۔" آج وہ مامی کی خوشامد کر رہا تھا۔

"نہ میں تیرے لیے اس سے لاکھ درجے بہتر لڑکی لاؤں گی۔"

"لیکن آپا مجھے صرف یہی چاہیے۔" دونوں بھائی بہن کا انداز ایسا تھا جیسے وہ گوشت پوست کی ساڑھے پانچ فٹ کی لڑکی نہ ہو' کوئی بے جان چیز ہو۔

"ٹھیک ہے سمجھو یہ تمہاری ہوگئی۔" انداز شاہانہ تھا۔ نعیم کھل اٹھا۔

رات کو مامی' ماموں سے نعیم کے متعلق بات کر رہی تھیں۔ "تم جانتی ہو تمہارا بھائی نشہ کرتا ہے پھر بھی....." ماموں کو یہ بات پسند نہ تھی۔

"کہہ تو رہی ہوں اس نے وعدہ کیا ہے کہ نشہ چھوڑ دے گا۔" مامی احمقوں کی جنت میں رہتی تھیں۔ بھائی کی مکمل حمایتی تھیں۔

"پہلے تو نیہان میں تمہیں سو کیڑے نظر آتے تھے۔ اب کیوں اسے اپنے بھائی سے بیاہ رہی ہو؟ حالانکہ پچھلے دنوں بشیر نے امتیاز کا رشتہ دیا ہے۔ وہ زبیر کیبل والا بھی آیا تھا' مگر تم نے سارے رشتے ٹھکرا دیئے۔" ماموں نے جرات سے کہا۔ شاید خون نے جوش مارا تھا۔

"یہ تمہارے تیور کیوں بدلے بدلے ہیں؟ چھوڑ دو میرے بھائی کا رشتہ کرادو کسی کا بھی رشتہ قبول۔ وہ رقیہ بھی اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر کل آئی تھی۔ نجانے کلموہی میں ایسا کیا ہے کہ سب اس کے دعویدار بن کر آرہے ہیں۔ ہمیں تو نہ آئیں ایسی چلتر بازیاں۔ میرا بھائی تن کے جوڑوں میں لے جانے کو راضی ہے' ورنہ جہیز جمع کرتے کرتے تم قبر میں چلے جاؤ گے اور پھر ہو جائے گی تمہاری بھانجی کی شادی۔" مامی نہ بولنے سے پہلے سوچتیں تھیں نہ بعد میں۔

"میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا کہ....."

"بس' بس رہنے دو تم اپنے ضمیر کو۔ ابھی بلواتی ہوں اسے اگر میری بات اس نے نہیں مانی تو کان کھول کر سن لو ابھی نکال باہر کروں گی اسے گھر سے۔ نیہان۔" ماموں کو دھمکاتی انہوں نے دہاڑ کر اسے آواز لگائی۔

"جی مامی۔" وہ حاضر تھی۔

"اس مہنگائی کے دور میں ایک مصیبت کی طرح تم ہم پر نازل ہو چکی ہو۔ کل کو شادی کرنا پڑے گی تو سو خرچے آئیں گے اور تم جانتی ہو کہ تمہارا ماموں ہیرے کی کان نہیں کھودتا۔ شادی کی آس لیے تم بڈھی ہو جاؤ گی۔ لیکن احسان مانو میرے بھائی کا جس نے تم سے شادی کی حامی بھر لی۔ اگلے جمعے کو تمہاری شادی ہے نعیم کے ساتھ۔ منظور ہے تو بولو ورنہ اپنا بوریا بستر سمیٹ کر جہاں دل چاہے چلی جاؤ۔"

"جی۔" مامی کی باتیں سن کر وہ ششدر رہ گئی تھی۔ ماموں نظریں چرائے بیٹھے تھے۔ اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔

"آنکھیں پھاڑے کیا گھور رہی ہے۔ سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے۔ جمعے کو تیری شادی ہے اب جا۔" تضحیک آمیز رویے پر اسے غصہ آگیا۔

"یہ میرے ماموں کا گھر ہے میں کہیں نہیں جاؤں گی۔" بے زبان جانور پر بھی مسلسل ظلم ہو تو وہ پلٹ کر کاٹ لیتا ہے وہ تو پھر احساس و جذبات رکھنے والی لڑکی تھی۔ مامی نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔

"کیا' کہا تو نے؟"

"جو آپ نے سنا' میں کہیں نہیں جاؤں گی اور رہی میری شادی کی بات تو آپ لوگوں کو بتا دوں کہ میرا نکاح ہو چکا ہے۔ نانو کی وفات سے ایک روز پہلے۔" اس نے جیسے بم بلاسٹ کیا تھا۔ مامی ہکا بکا رہ گئی تھیں۔ اس کا انداز انہیں ہضم نہیں ہو رہا تھا کہ نکاح کا سن کر وہ ساکت رہ گئی تھیں۔ ماموں الگ حیران کھڑے تھے۔

"تم نے پہلے بتایا نہیں نیہان؟"

''بس یونہی۔''
مامی کا سکتہ ٹوٹا تو بپھر کر اس تک آئیں۔
''میرے گھر میں کھڑے ہو کر مجھے آنکھیں دکھاتی ہے۔''
''بس مامی اب آپ نے مجھے یا میرے ماں باپ یا نانو کے بارے میں کچھ بھی کہا تو میں آپ کو جلا کر مار دوں گی۔ آپ مجھے اللہ میاں کی گائے سمجھتی ہیں مگر میں آپ کو بتا دوں میرا اصل روپ یہی ہے اگر آئندہ سے آپ نے مجھے کچھ کہا تو اچھا نہیں ہوگا۔'' وہ دبنگ لہجے میں کہہ کر چلی گئی۔ جب کہ مامی تحیر سے دیکھتی رہ گئیں۔ بظاہر سیدھی سادھی دکھنے والی نیہان ایسی تیز طرار ہے۔ انہیں اندازہ نہ تھا۔

ماموں نے اکیلے میں اس کے بولڈ انداز کو سراہا تھا۔
''آواز حق بلند کر کے تم نے بہت اچھا کیا بیٹا اگر تمہارے ساتھ ناانصافی ہوتی تو میں احساس گناہ سے مر جاتا۔''
''مجھے آپ سے گلہ ہے ماموں۔ آپ نے ناحق مامی کو سر پر بٹھالیا ہے۔ مانا عورت کو فوقیت دینی چاہیے لیکن جائز باتوں میں۔ انہیں بے جا آزادی دے کر آپ نے اپنی ذات کو گھٹا لیا ہے۔ ہجوم دنیا چھوڑ کر میں آپ کے ساتھ صرف اس لیے چلی آئی کہ آپ سے میرا رشتہ خون کا ہے۔ چھت کے علاوہ مجھے محبت بھی ملے گی مگر میری سوچ کے بخیے ادھڑ گئے۔ اپنے ماموں کے گھر میں مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں بیچ بازار میں کھڑی ہوں۔ مہینہ ہوا ہے مجھے یہاں آئے مگر مامی نے طعنوں سے میرا جگر چھلنی کر دیا۔ میں اب بھی ان سے بدتمیزی نہ کرتی مگر بات کردار پر آگئی تھی۔''
''تم نے جو کیا بالکل درست کیا بلکہ میں تو تمہارا مشکور ہوں کہ تم نے میرے اندر کے مرد کو آواز دی ہے۔ اب انشاء اللہ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ دیکھنا میں کیسے تمہاری مامی کو سدھارتا ہوں۔''
''میں کراچی واپس جانا چاہتی ہوں ماموں۔ وہاں جا کر کسی وومن ہاسٹل میں رہوں گی اور کسی اچھی کمپنی میں جاب کر لوں گی۔'' اس نے اپنا پروگرام بتایا۔
''تمہیں جاب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم تو خود کئی کمپنیوں کی مالک ہو تم نے بتایا ہے کہ ابتہاج کی تین کمپنیاں ہیں۔''
''جی۔''
''پھر کیا رخصتی کا ارادہ نہیں؟ اپنے سسرال کا نمبر دو مجھے میں خود ان لوگوں سے بات کرتا ہوں۔''
''میرے پاس نمبر نہیں ہے۔''
جان چھڑائی۔ اس کے انداز سے پتا نہیں مامی سچ مچ ڈر گئی تھیں یا نہیں مگر انہوں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ ماموں نے گھر پر اپنا ہولڈ قائم کر لیا تھا۔ نعیم کے گھر آنے پر پابندی لگ گئی تھی۔ مامی نے شور مچایا تو ماموں نے طلاق کی دھمکی دے کر انہیں خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔ نیہان روزمرہ کے کام بدستور انجام دے رہی تھی۔ اس نے مامی سے اپنے رویے کی معافی مانگ لی تھی اور انہوں نے دے دی۔ بے دلی ہی سے سہی۔
عصر کی اذان ہو چکی تھی۔ نماز کا وقت نکلا جا رہا تھا۔ صحن میں لگے الکوتے نل سے وہ جلدی جلدی وضو کر رہی تھی۔ دوپٹے کو نماز کے اسٹائل سے لپیٹ رہی تھی۔ تبھی دروازہ بجا تھا۔ پردہ ہٹا کر ایک چارمنگ سی خاتون اندر داخل ہوئیں۔ ان کے پیچھے سوبر سا مرد تھا۔
''السلام علیکم جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟'' وہ سنبھل کر گویا ہوئی۔ ان کے مہنگے ملبوسات پردے کے پیچھے سے جھلک دکھاتی گاڑی ان کی امارت کا ثبوت آپ تھی۔
''وعلیکم السلام، جیتی رہو۔ ہمیں تم سے ملنا تھا۔'' خاتون اس تک آئیں۔
''مجھ سے؟'' وہ حیران تھی۔
''تم واقعی نیہان ہو۔'' اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھر کے اس کے حیران پریشان چہرے کو فراموش کر کے انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔
''اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟ میں تمہاری ساس ہوں اور یہ تمہارے سسر، ابتہاج ہمارا بیٹا ہے اور تم ہماری بہو ہو۔''

انہوں نے پیار سے مسکرا کر کہا۔
"ساس، سسر، بہو۔" اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ مامی بھی کمرے سے نکل آئی تھیں۔ غالباً انہوں نے آواز سن لی تھی۔ ان کے سراپے سے وہ امپریس ہو گئی تھیں۔ آگے بڑھ کر انہوں نے خود تعارف کرایا۔ غالباً اتنے برسوں میں تمیز آ گئی تھی انہیں اور پھر صبح کے بھولے کو بھولا تو نہیں کہتے۔ مامی بااخلاق میزبان کی طرح پیش آ رہی تھیں اور وہ غائب دماغی سے نماز ادا کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ماموں بھی آ گئے انہوں نے بھی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ بچے کو پیسے دے کر مامی نے تواضع کی چیزیں منگوالی تھیں اور نیہان کو چائے بنانے کا کہا تھا۔ ابتہاج کے مما پپا نے اسے بلایا بھی مگر وہ کچن میں بیٹھی رہی۔ چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ باتیں کرتے رہے۔ تب ماموں اس کے پاس آئے۔
"نیہان یہ لوگ تاریخ مانگ رہے ہیں رخصتی کی۔ بتاؤ میں انہیں کیا کہوں؟" سر اٹھائے وہ انہیں دیکھتی رہی۔
"ماموں! آپ انہیں انکار کر دیں۔" انداز دوٹوک تھا۔
"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔ "کھل کر بات کرو نیہان نکاح ہو چکا ہے تمہارا۔ اب ہمارا زور نہیں ہے تم پر۔ ابتہاج چاہے تو بہ زور تمہیں لے جا سکتا ہے۔ جب کہ اس نے ماں باپ کی واپسی کا انتظار کیا۔ یہ اس کی شرافت ہے بیٹا۔"
"ماموں آپ بھی انہی کی سائیڈ لینے لگے۔" اس نے شکایت کی۔
"سائیڈ کب لے رہا ہوں۔ میں تو منطقی بات کر رہا ہوں۔"
"بس انہیں کہہ دیں، ہم ابھی رخصتی نہیں چاہتے۔"
"کوئی وجہ تو ہو گی انکار کی؟"
"کوئی وجہ نہیں۔"
"کیا یہ جبری رشتہ ہے؟"
"بس رخصتی کو ابھی میرا دل نہیں چاہتا۔" اس نے بات ختم کر دی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ وقت رخصت ابتہاج کے مما پپا گو کہ پژمردہ تھے مگر پھر آنے کی کہہ گئے تھے۔
انہیں گئے بھی مہینہ ہو گیا تھا۔ کئی بار فون کر کے انہوں نے ماموں سے رخصتی کی بات کی تھی اور اس کا ایک ہی جواب تھا۔ "ابھی نہیں۔" ماموں سخت خفا ہوئے تھے انہوں نے اسے رات تک کا وقت سوچنے کے لیے دیا تھا کہ یا تو وہ مسلسل انکار کی وجہ بتائے ورنہ وہ زبردستی رخصتی کر دیں گے۔
دن شام کا ہاتھ تھامنے کو بے قرار تھا۔ وہ نیم کے پیڑ کے نیچے پلنگ پر بیٹھی دونوں پاؤں جھلا رہی تھی۔ جو ظاہر کر رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ دروازے تک آئی۔ دوپہر کا وقت تھا مامی اور بچے خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔
"کون ہے؟" "کوریئر سروس، نیہان کے نام لیٹر ہے۔ سائن کر کے وصول کر لیں۔" باہر سے مردانہ آواز آئی تھی۔
"میرا لیٹر؟" حیران ہوتی اس نے دروازہ کھول دیا اور سائن کر کے لیٹر وصول کر لیا۔ لفافہ چاک کرتی پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اندر سے اسٹامپ پیپر برآمد ہوا تھا۔ لفافہ سائیڈ پر رکھ کر وہ پڑھنے لگی، جس میں بنا کسی کو مخاطب کیے درج تھا۔
"میں ابتہاج حسن رضوی بہ ہوش و حواس قلم بند کر رہا ہوں کہ دنیا میں موجود تمام چھوٹی بڑی خواتین میرے لیے قابل احترام و عزت ہیں۔ میں ماضی کے الفاظ و انداز پر شرمسار ہوں۔ مجھے قبول ہے کہ میری سوچ سراسر بے بنیاد اور حقائق سے عاری تھی۔ چادر عورت کی راہ میں حائل رکاوٹ نہیں بلکہ اس کی حیا و نسوانیت کا وقار ہے باپردہ خواتین کانفیڈنس سے مالا مال ہوتی ہیں۔ مجھے سرعام اقرار ہے کہ میں نے اپنا آئیڈیل بدل لیا ہے۔ اب میری آئیڈیل ٹریڈیشنل باپردہ باحیا زن ہے۔ میری ماضی کی سوچوں کو فراموش کر کے میری نئی تبدیلی کو دیکھا جائے۔
رقم طراز ابتہاج حسن رضوی۔
نیچے اس کے دستخط تھے اور گواہ کے طور پر عبد کے دستخط بھی تھے۔ وہ بے ساختہ ہنستی چلی گئی تھی۔

اور رات اس نے ماموں کو رخصتی کے لیے ہاں کہہ دیا تھا۔ اگلے ہی روز سب آدھمکے تھے۔ علاوہ ابتہاج کے۔ بڑے اندر باتیں کر رہے تھے۔ قریب کی ڈیٹ فکس کر رہے تھے اور وہ دوسرے کمرے میں بیٹھی سب کو سن رہی تھی۔ عبد عجلت میں اندر داخل ہوا تھا اور اپنا موبائل اسے تھما گیا۔

"نیہان! تمہاری کال ہے۔"

"میری کال؟" وہ اچنبھے سے گویا تھی مگر وہ موبائل تھما کر جا چکا تھا۔ اس نے موبائل کان سے لگالیا۔

"ہیلو۔"

"مسز ابتہاج حسن رضوی کیا حال ہیں؟" غیر متوقع طور پر اس کی آواز سن کر چپ رہ گئی۔ جب کہ وہ شرارتی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"ہاں کہنے کا شکریہ۔ ویسے ابھی میں فل موڈ میں ہوں کچھ اور لکھوانا ہے اسٹامپ پیپر پر تو لکھوالو۔" وہ مسکرا کر رہ گئی تھی۔ "بھئی تمہارا کیا بھروسہ چپ چپاتے ماموں کے گھر سے کہیں اور شفٹ کر جاؤ اس لیے سب کو بھیج دیا ہے تمہیں ابتہاج ولا لانے کو۔" وہ خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔ اب ساری عمر اسی کے سنگ بتانی تھی جس کی آواز اسے دکھوں اور پریشانیوں کے چھٹنے کی نوید سنا رہی تھی۔

"کچھ بولو گی نہیں؟"

"آپ بولیے میں سن رہی ہوں۔"

"تو پھر ایک نظم سنو۔"

"ارشاد۔" اتنے دنوں بعد اس کے لب کھل کر مسکرائے۔

بھلا لگتا ہوں میں سب کو، مجھے تم اچھی لگتی ہو
جو ہونا ہے سو اب وہ ہو مجھے تم اچھی لگتی ہو
زبان کھولی اگر میں نے تو رسوائی کا خدشہ ہے
تم ہی دنیا کو بتلاؤ مجھے تم اچھی لگتی ہو
نہیں ہے گر یقیں تم کو میری باتوں کا میری جاں
میرے احباب سے پوچھو مجھے تم اچھی لگتی ہو
میرے خوابوں، خیالوں میں تمہاری ہی ادائیں ہیں
کوئی رت کوئی موسم ہو مجھے تم اچھی لگتی ہو

اس کے لیے باعث حیرت تھا۔ ابتہاج حسن رضوی اور شاعری۔ دو متضاد چیزیں تھیں۔

"شکریہ۔" اس نے ہولے سے کہا۔

"تم پہ میرے بہت سے شکریے ادھار ہیں جو کہ میں خود روبرو وصول کروں گا۔ یہ بتاؤ تاریخ کون سی رکھی ہے؟"

"مجھے نہیں پتا۔" وہ جھینپ گئی۔

"مما کافی تعریف کر رہی تھیں تمہاری۔ کیا مجھ سے دور رہ کر نکھار آ گیا ہے؟" ابتہاج حسن کا یہ انداز وہ حیران تھی۔

"اچھا سنو عروسی روپ میں تم میرے سامنے آنا تو تمہارے بال کھلے ہونے چاہئیں۔"

"آپ بہت بے باک ہو رہے ہیں۔ میں آکر بتاؤں گی۔" شرم و خفت سے اس کی بری حالت تھی، جب کہ وہ قہقہہ لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تو آرہی ہو نا ہمیشہ کے لیے؟" اس نے مسکرا کر موبائل بند کر دیا۔ مصائب و پریشانی ہر ایک کی زندگی میں داخل ہوتے ہیں، غموں کے تند تھپیڑوں سے گھبرانا نہیں چاہیے کیونکہ تاریکی کے بعد روشنی ہے۔ غم کے بعد خوشی ہے۔ آنسوؤں کے بعد مسکراہٹ ہے۔ غموں کے اژدھام سے نکل کر نیہان نے بھی خوشیوں بھری راہ گزر پر قدم رکھ دیا تھا۔ جہاں وہ اکیلی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ محبت کرنے والوں کی دعائیں تھیں۔ اوپر والے نے اس کا آنچل جگنوؤں سے بھر دیا تھا اور بیت جانے والے کل کا ازالہ کر دیا تھا۔ وہ مسلسل رنگ کر رہا تھا مگر وہ کال ریسیو نہیں کر رہی تھی۔ تبھی اس نے میسج کا سہارا لیا تھا۔ "مجھے تم اچھی لگتی ہو" کی گردان کر رہا تھا۔ نیہان نے میسج کا جواب لکھا۔ "افسوس! مجھے بھی تم اچھے لگتے ہو۔"